قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ

# طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ
۴
چار روپے

ٹیلیفون
۸۸۰۸۰۰
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۴۸ روپے
غیر ممالک ——— ۱۱۰ روپے

جلد (۴۰) | اپریل ۱۹۸۷ء | نمبر ۴


## فہرست


۱۔ لمعات ۲
۲۔ حسنِ تحریر ۹
۳۔ خصوصی تقریب بیاد مفکرِ قرآن محترم غلام احمد پرویزؒ ۱۷
۴۔ رموزِ فکرِ پرویزؒ (محترم محمد عمر دراز) ۲۱
۵۔ تحریکِ پاکستان، دو قومی نظریہ کی روشنی میں (محترم حسن عباس رضوی) ۲۷
۶۔ اخوت، انسانیت ساز قدر۔ (محترمہ ثریا عندلیب) ۳۶
۷۔ کہاں گئے (نظم) ۔ (عارف بٹالوی) ۳۹
۸۔ طلوع اسلام کنونشن ۱۹۸۷ء ۴۰
۹۔ قرآنی تصورات و الفاظ و اصطلاحات۔ (ڈاکٹر صلاح الدین اکبر) ۴۱
۱۰۔ حقائق و عبر۔ (مولوی اور دانشور) (متحدہ شریعت محاذ) خواجہ اجمیریؒ کی ایک کرامت) ۴۷
۱۱۔ رابطہ باہمی ۵۰
۱۲۔ باب المراسلات ۵۷
۱۳۔ مساجد میں عورتوں کی نماز کے بارے میں رابطہ العالم الاسلامی کا فتویٰ (محمد ارمغان ثاقب) ۵۹
۱۴۔ نقد و نظر ۶۳



ایڈیٹر: محمود خلیل، ناشر: شیخ عبدالحمید۔ مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز، ۴/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵۔

# لمعات

## صبحِ اُمید ۔ ۲۳ر مارچ

۲۳ر مارچ کا دِن ہر سال آتا ہے، یہ دن چند یادیں اپنے ساتھ لاتا ہے، کچھ اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور بعض کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ جہاں تک ان یادوں کا تعلق ہے جو یہ دن ہر سال اپنے ساتھ لاتا ہے ان میں سے ایک ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء سے وابستہ ہے جس دن تصورِ پاکستان کے خالق، حکیم الامت علامہ اقبالؒ ملت کو نشانِ منزل دے کر جوئے نغمہ خواں کی طرح آگے بڑھ گئے۔ اس رفاقت کے ٹوٹ جانے سے قائداعظمؒ کو انتہائی رنج اور صدمہ پہنچا۔ علامہ اقبالؒ کی ملی خدمات اتنی عظیم اور گراں بہا تھیں کہ قائداعظمؒ عمر بھر انہیں تشکر و احسان کے ساتھ ان الفاظ میں دہراتے رہے:

"اقبال ایک عظیم شاعر اور فلاسفر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی سیاستدان بھی تھے ..... وہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے پہلے پہل ایک اسلامی سلطنت کا خواب دیکھا ..... اقبال میرا پرانا دوست تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ ابتداء میں ایک علمی (ACADEMIC) جماعت تھی۔ ۱۹۳۶ء میں ہم میں سے بعض نے خیال کیا کہ اس جماعت کو صحیح پارلیمانی جماعت میں تبدیل کر دیا جائے۔ جب میں اپریل ۱۹۳۶ء میں پنجاب آیا تو پہلا شخص جسے میں ملا، وہ اقبالؒ تھا۔ میں نے اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کئے انہوں نے فوراً لبیک کہی اور اس وقت سے لے کر تادمِ آخر میرے ساتھ مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے ..... اقبال نے مسلم سیاسی شعور پیدا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دیں ..... اقبال دورِ حاضر میں اسلام کے بہترین شارح تھے۔ اس زمانہ میں اقبالؒ سے بہتر اسلام کو کسی اور شخص نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس امر کا فخر ہے کہ میں نے ان کی قیادت میں بحیثیت ایک سپاہی کے کام کیا ہے ..... میں نے ان سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔ جس بات کو وہ صحیح خیال کرتے تھے یقیناً وہ صحیح ہوتی تھی اور وہ اس بات پر چٹان کی طرح

قائم رہتے ۔۔۔۔۔ گو میرے پاس سلطنت نہیں، لیکن اگر سلطنت مل جائے، اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔"

(۹ دسمبر ۱۹۴۲ء یوم اقبال۔ ۲۶ مارچ ۱۹۴۳ء یوم اقبال۔ ۲ مارچ ۱۹۴۱ء یوم اقبال)

اس دن کی ہم رکاب دوسری حسین یاد مسلمانان ہند کی وہ عہد ساز قرارداد ہے جو حکیم الامت کے عطا کردہ تصور پاکستان کو عملی شکل دینے کے لئے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں پاس ہوئی۔ اس موقع پر قائداعظم نے بڑی مسرت سے کہا۔

"آج اقبال ہم میں موجود نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو جان کر بہت خوش ہوتے کہ ہم نے وہی کچھ کیا ہے جس کی انہیں ہم سے توقع تھی۔"

اسی سلسلۂ زریں کی تیسری کڑی الفاظ و احساسات کا وہ حسین مرقع ہے جو ایک عدیم النظیر سپاسنامہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گیا تھا اور جسے طلوع اسلام نے اس تقریب سعید کے موقع پر (۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء) کو قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ چونکہ یہ سپاسنامہ ہماری ملی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے یہاں دہرا دینا ان روح پرور یادوں کو زندہ رکھنے میں معاون ہو گا۔

بہ شرف نظر

شیر بیشۂ بیباکی و حریت۔ ضیغم نیستان جرأت و بسالت۔ شاہین افلاک تدبر و سیاست۔ پروانۂ شمع اخوت و حمیت۔ طرۂ کلاہ ملک و ملت۔ بطل جلیل ہندیاں۔ و قائداعظم اسلامیاں۔ عزت مآب محترم المقام جناب محمد علی جناح مدظلہ العالی۔

# بہ تقریب سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ۔ بمقام لاہور

## حریت نواز!

ذرا تصور میں لایئے ایسے وقت کو کہ ایک وحشت انگیز ہولناک بیابان میں راہ گم کردہ مسافروں کا ایک بکھرا ہوا قافلہ نشان منزل سے مایوس ہو کر ضعف عزیمت سے پاشکستہ بیٹھ چکا ہو۔ ایک درماندہ راہرو کی صدائے دردناک جو آواز رحیل کا کام دے رہی تھی۔ فطرت کے اٹل قوانین کے ماتحت خاموش ہو چکی ہو۔ شام کا بھیانک سناٹا منڈلانے والی شب تیرہ و تار کی ہیبت انگیزیوں کا پیام جانکاہ دے رہا ہو غاروں میں چھپے ہوئے درندوں کے قدموں کی آہٹ موت کو قریب تر لاتی نظر آ رہی ہو۔ درختوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے رہزنوں کی ریشہ دوانیاں، دامن

صحرا پر پھیلتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ بڑھتی چلی آرہی ہوں۔ وہ لوگ جن کی قیادت وسیادت پر بھروسہ تھا۔ برادرانِ یوسف کی طرح اپنے قافلہ کی گراں بہا متاع دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالنے کی فکر میں ہوں۔ غرضیکہ ہلاکت یقینی اور تباہی اٹل معلوم ہوتی ہو۔ افرادِ قافلہ میں سے جن کے دلوں میں اس الم انگیز کیفیت کا احساس ہو۔ ان کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھ رہی ہوں کہ دُور۔ افقِ امید سے ایک شاہسوار رواں دواں۔ امیدوں کی ایک دنیا اپنے ساتھ لئے ان سوختہ سامانوں کی طرف بڑھتا چلا آئے۔ منتشر افرادِ کارواں کو پھر سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دے اور اپنوں اور بیگانوں کی تیار کردہ ہلاکت و بربادی کی گھاٹیوں سے بچاتا ہوا انہیں کسی محفوظ مقام کی طرف لے جانے کی فکر کرے۔ اندازہ فرمایئے کہ جو قلبی کیفیت اُس وقت ان راہ گم کردہ مسافروں کی ہوگی۔ وہی حالت آج ملتِ اسلامیہ (ہندیہ) کی ہے۔ تحریکِ آزادی کے آغاز میں مسلمانوں کی عمومی حالت یہ تھی کہ یہ ریت کے ذروں کی طرح بکھرے پڑے تھے کہ تیز ہوا کا جھونکا آتا اور انہیں اِدھر سے اُدھر اڑا لے جاتا، پانی کی روآتی اور انہیں اپنے ساتھ لے جاتی۔ اس کاروانِ بے سالار کی متاعِ گراں بہا کو لوٹنے کے لئے چاروں طرف سے قوتیں ہجوم کرکے آرہی تھیں۔ غیر تو غیر خود اپنوں کی یہ حالت تھی کہ ان کی سحرطرازیاں اور فسوں سازیاں۔ ملتِ بیضا کو خدائے طورِ سینا سے ہٹا کر گوسالہ پرستی کی دعوت دیتی تھیں۔ غرضیکہ حالت یہ تھی کہ

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ترس گئے تھے کسی مردِ راہ داں کے لئے

قوم کی صحیح راہنمائی کرنے والے ایک ایک کرکے چل بسے تھے۔ بزمِ ملت کی آخری شمع جس کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں آنکھیں پرنور تھیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو بجھ چکی تھی[1]۔ اس کس مپرسی اور بیکسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اس منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کے لئے آپ کی ذاتِ گرامی کو چن لیا۔ اور آپ کی نگہ دوررس نے اس قافلے کو بتایا کہ ان کے گردوپیش کس کس قسم کی خطرناک گھاٹیاں موجود ہیں۔ وہ گھاٹیاں کہ جن میں کہیں "متحدہ قومیت" کے دامِ ہمرنگِ زمین میں کبوترِ حرم کو پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ کہیں کسی منبر سے یہ آواز آرہی تھی کہ قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اور یوں اس طائرِ لاہوتی کے بال و پر کو غبار آلودۂ ارض و لوم بنا کر امتِ رسولِ کافۃ الناس کو جغرافیائی حدود کی آب و گِل میں محبوس کیا جا رہا تھا۔ کہیں "امرھم شوریٰ بینھم" کی حامل قوم کی نگاہوں میں مخلوط انتخاب کے سراب کو آبِ حیوان بنا کر دکھایا جا رہا تھا۔ کہیں اس "اولی الامر منکم" کی مامور جماعت کے لئے غیر مسلموں کی امامت وقیادت کو عین دین قرار دیا جا رہا تھا۔ کہیں انگریز کے خلاف "متحدہ محاذ" کے طلسم سے کفار و مشرکین سے تولی کے جواز کے فتاویٰ شائع ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایک مغنّی آتش نفس سرد گاہِ دار دھا کی مستعار لے میں یہ خواب آور گیت گا رہا تھا کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں[2]، اسلئے اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے

---

[1] حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔ [2] ابوالکلام آزاد۔

...قیت نہیں۔ دوسری طرف کچھ صلادنداں مکتبہ، شاہین بچوں کے لئے اہماکی بازدشکن تعلیم کی اسکیمیں تیار کر رہے تھے ...نے ذہن میں "رام راج" کے قیام کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ اور اس کے لئے انگریز سے شریفانہ معاہدے (GENTLEMAN'S AGREEMENT) استوار کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے شور و غوغا سے متاثر انگریز بھی مسلمانوں کو بلا تامل ہندو کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ تھا۔ کہ وہ اپنی پانچ ہزار سالہ غلامی کا جذبۂ انتقام اس کے خون سے ٹھنڈا کرے۔ جو لوگ اغیار کے صفوں میں کھڑے ہو کر ملت اسلامیہ کی نمائندگی کا دعوٰے کر رہے تھے۔ ان میں اتنا سمجھنے کی بھی استطاعت نہیں تھی کہ بساط سیاست پر یہ آئینی مہرے کس ...چلائے جا رہے ہیں۔ ہندو خوش تھا کہ میں نے نو کروڑ فرزندان توحید کو اچھوتوں کی صف میں ملا دیا۔ انگریز راضی تھا کہ وہ ...خنجر ہلال جس کے بے نیام ہونے کے خوف سے کلیجۂ صلیب بھی ہمیشہ دھڑکن رہتی تھی اسے گنگا کی لہروں میں بہا دیا گیا کہ اس کس مپرسی کے عالم میں اور اس انتشار و تشتت کے وقت آپ آگے بڑھے۔ اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہر خفیہ منصوبے اور ہر اپنشید سازش کو ایک ایک کر کے بے نقاب کر دیا۔ اور یوں ان کے تصورات کی حسین دنیا کو ایک خواب پریشان میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اور ساری دنیا پر اس حقیقت عظمیٰ کو واضح کر دیا کہ

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

## بطل جلیل القدر:

ہمیں خوب احساس ہے کہ آپ کی منزل کس قدر کٹھن اور راستہ میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہے۔ جہاں تک غیروں کا تعلق ہے مسلمان جیسی منتشر قوم کے مقابلہ میں ہندوستان اور برطانیہ کی دو بڑی قوتوں کا متحدہ محاذ ہی کچھ کم سنگ گراں نہیں لیکن غیروں سے کہیں زیادہ مہیب اور جاں گداز مشکلات خود اپنوں کی پیدا کردہ ہیں۔ ان "اپنوں" کو بھی چھوڑیئے جو محض اپنی سنہری اور روپہلی مصلحت کوشیوں کی خاطر نشرگاہ وار دھا (RADIO STATION) کے آلات مکبر الصوت (LOUD SPEAKERS) بنے ہوئے ہیں۔ وہ تو اس مخالفت پر مجبور ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ماتم تو ان "مخلص منافقین" کا ہے جن کی رفاقت و حمایت بیش ازیں نیست کہ

کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو

جن کا مقصد وحید اپنے طرۂ وجاہت کا قیام و بقا ہے۔ خواہ یہ آستانۂ خواجہ یثرب سے وابستگی ظاہر کرنے سے حاصل ہو جائے یا لشکر بولہبی میں شمولیت سے۔ بایں ہمہ نہ ان غیروں کا ہجوم مخالفت ایسا ہے کہ اس سے کچھ خوف کھایا جائے۔ اور نہ اپنوں میں سے بعض کی نوازشہائے بیجا اور دوسروں کے طعنہ ہائے دلخراش ایسے کہ ان کا غم کھایا جائے۔ کہ جو حق پر ہو اسے کسی کی مخالفت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون تیری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ تیری آستیں میں ہے ید بیضا

---

ـه شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب

## حریت مآب!

ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ تگ و دو حیات میں جو نصب العین آپ کے سامنے ہے وہ وہی ہے جو ہر مسلمان کی نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیئے۔ جس کے دل میں بہ حیثیت مسلمان زندہ رہنے کی تڑپ اور اپنی نسلوں کو بہ حیثیت مسلمان رکھنے کی آرزو موجزن ہے۔ اور کسے معلوم نہیں کہ وہ نصب العین ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہند (MUSLIM-INDIA) کی تشکیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ جس طرح آپ احوال و ظروف کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے قدم بقدم اس درخشندہ نصب العین کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ وہ آپ کی بلند نگہی اور حسن تدبر کا آئینہ دار ہے۔ سطح بین لوگوں نے آپ کو صرف ایک فاضل مقنن اور دیدہ ور مدبر کی حیثیت سے ہی پہچانا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو آپ کے قریب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ مبدء فیض نے آپ کو اس قدر ذہن رسا کے ساتھ ساتھ کس قدر دلِ سوز و پر درد کی نعمتوں سے نوازا ہے۔

خرد نے تجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے تجھ کو حدیثِ رندانہ

اور قلب و نظر اور عشق و عقل کا یہی امتزاج ہے جو ایک ناخدائے کشتیٔ ملت کی متاعِ گراں بہا ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

## عالی مرتبت!

آپ یقین فرمایئے کہ جس قوم کی فلاح و بہبود آپ کی زندگی کا منتہی ہے۔ اس قوم کا سوادِ اعظم آپ کی قیادت و امارت پر کامل بھروسہ رکھتا ہے۔ اور ان کی خاطر آپ نے جو گراں قدر قربانیاں دی ہیں۔ ان کے دلوں میں ان کا پورا پورا احساس ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ سرزمین پنجاب جو ملت اسلامیہ کے اس اجتماعِ عظیم کی تقریب پر آپ کی تشریف آوری سے سرفراز ہونے والی ہے۔ اس میں آئینی نقطۂ نگاہ سے (CONSTITUTIONALLY) ابھی پراونشل لیگ کا قیام بھی عمل میں نہیں آسکا۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ یہ حقیقت آپ کی نگاہ سے مستور نہ ہوگی کہ پنجاب کا ایک ایک قریہ اور اس قریہ کے ایک ایک فرد کا دل آپ کی عظمت و عقیدت کا نشیمن بنا ہوا ہے۔ بس کسی ایک مردِ خود آگاہ و خدا دوست کے نعرۂ مستانہ کی دیر ہے۔ یہ طوفان بلا انگیز کسی سے روکے نہیں رُکے گا۔ اس وقت بچے گا وہی جو کشتیٔ ملت میں اخلاص و دیانت سے سوار ہوگا۔ اور پکارنے والا پکارے گا کہ

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ

## سیدالقوم!

ادارۂ طلوعِ اسلام۔ جسے ہزارہا پرخلوص اور صحیح النظر مسلمانوں کی ترجمانی کا فخر حاصل ہے۔ اجلاس لیگ

کی صدارت پر آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہے۔ اور مستدعی ہے کہ جس نصب العین کی طرف آپکا قدم اٹھ رہا ہے۔ قوم کو اس کی طرف اور تیزگامی سے بڑھاتے جائیے۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے اگر ضرورت پیش آئی تو آپ دیکھیں گے کہ قوم کس طرح کفن بردوش و سربکف آپ کی دعوت پر لبیک کہتی ہے۔

بانۂ درویشی درسازد دمادم زن ::
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

اراکین ادارۂ "طلوع اسلام"

○ ہمارے ہاں جب بھی اسلامی قانون کی بات ہوتی تو محترم پرویز صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے پاس، صرف قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس پر امت مسلمہ کے تمام فرقوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ اسے قانون سازی کی بنیاد بنا کر، زمانۂ جدید کے تقاضوں کے مطابق، اسلامی قانون کو مدون کر لیا جائے تو صرف اسی طریقے سے اسلامی نظام کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ سے مختلف فرقوں کا وجود بھی آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو جائے گا لیکن چونکہ فرقوں کا ختم ہو جانا، ان حضرات کے مفاد میں نہیں۔ اس لئے وہ کبھی قرآن مجید پر جمع نہیں ہو سکتے۔

اس کے برعکس، اسلامی قانون کے نفاذ کے سلسلے میں، علماء کا مطالبہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اسے کتاب و سنت کے مطابق مدون کیا جائے۔ علامہ پرویز صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرات کتاب و سنت کا نام بھی محض زیب داستان کے لئے لیتے ہیں۔ کیونکہ مختلف فرقوں کے نزدیک سنت کی مختلف تعریفوں کی وجہ سے یہ خود تسلیم کر چکے ہیں کہ اس اختلاف کی بناء پر کوئی بھی ایسا مجموعۂ قانون مدون نہیں ہو سکتا جو سب فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ کتاب و سنت سے ان کی اصل مراد حنفی فقہ ہوتی ہے۔ اب انہوں نے کتاب و سنت کا پردہ بھی ہٹا دیا ہے اور وہ براہ راست حنفی فقہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔ اسکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ہمارے ملک میں چار مسلمہ مذہبی فرقے موجود تھے۔ یہ فرقے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور اہل تشیع تھے ان چاروں فرقوں میں بنیادی قسم کے اختلاف ہیں اس لئے یہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ لیکن اب ان فرقوں کو ایک نئی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان میں سے ہر ایک فرقے کے دو دو گروپ بن چکے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک گروپ، جو حکومت سے تعاون کر رہا ہے وہ مجوزہ شریعت بل کی حمایت کرتا ہے۔ جبکہ انہی فرقوں کا ہر دوسرا گروپ جو حکومت

کا مخالف ہے، شریعت بل کو فراڈ قرار دیتا ہے۔ پچھلے ہفتے دیوبندی فرقے کے اس دوسرے گروپ، جس کی قیادت جناب مفتی [redacted] صاحب کے صاحبزادے مولوی فضل الرحمٰن کرتے ہیں، نے مینارِ پاکستان کے سائے میں ایک شاندار جلسے کا انعقاد کیا۔ اس جلسے میں انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"کہ پرائیویٹ شریعت بل، جماعت اسلامی کا ہے۔ اس کا اعتراف جماعت کے ایک رہنما جناب خلیل حامدی نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ پرائیویٹ شریعت بل، جماعت اسلامی کا کارنامہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرائیویٹ شریعت بل کا شور مچانے والے اصولوں کا سودا کر کے، شریعت کی بات کرتے ہیں، اس لئے قوم کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ ہم اصولوں پہ کاربند ہیں۔ انہی کی روشنی میں شریعت کا ذکر کرتے ہیں، اس سلسلے میں ہمیں قوم کا بھرپور اعتماد حاصل ہے۔ پرائیویٹ شریعت بل کی منظوری ملک میں فقہ حنفی کے نفاذ میں رکاوٹ ہوگی۔ اور اس بل سے ملک فرقہ وارانہ کشیدگی کی لپیٹ میں آجائے گا۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ بابت ۷ مارچ ۱۹۸۷ء ص۵، اقتباس تقریر جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب)

اس کے بعد انہوں نے حنفی فقہ کے حق میں استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

"ایران میں ملک کا عام قانون فقہ جعفریہ ہے اور باقی تمام مکاتیب فکر کو اپنے اپنے پرسنل لاز کے تحت عمل کرنے کی پوری آزادی ہے۔ یہی دنیا اور دین کا مسلمہ اصول ہے۔ ہم بھی اس ملک میں فقہ حنفی کا نفاذ چاہتے ہیں۔ یہ پاکستان کا مقدر ہے۔ اسلامی نظام میں ملک کی قانون سازی کی بنیاد فقہ حنفی ہوگی۔ اس بارے میں ہمیں ملک کی عظیم اکثریت کی تائید حاصل ہے۔ ہم فقہ حنفی کے لئے اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیں گے۔ تاہم دیگر فقہوں پر عمل کرنے والوں کو بھی ہر طرح کی آزادی حاصل ہوگی۔ پاکستان کا آئین اس بات کا تعین کر چکا ہے کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا اور قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ اس لحاظ سے اسلامی نظام ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کے تحت اس ملک کا نظام بن چکا ہے، فقہ حنفی کے لئے ہماری جدوجہد آئینی اور جمہوری حدود میں ہوگی۔" (ایضاً)

اس سلسلے میں جو چھ مارچ کو مینارِ پاکستان کے وسیع میدان میں منعقد ہوا تھا، اہلحدیث فرقے کے علماء بھی سٹیج پر تشریف فرما تھے لیکن ان میں سے کسی نے مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے اس اعلان پر کوئی

(باقی ص۱۶ پر)

# حُسنِ تحریر ۳

قارئینِ کرام! سلام ورحمت۔

اس سفر میں ہم اس مقام تک آ ئے ہیں جہاں سے "معراجِ انسانیت" کے پیکرؐ، حیاتِ انسانیہ کے اسوۂ حسنہؐ، اشرف الانبیاءؐ، خاتم النبینؐ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا آغاز محترم پرویزؒ صاحب کی تحریر میں ہمارے سامنے آئے گا۔ ملاحظہ فرمایئے اس دلنواز اور عقیدت واحترام سے سرشار تحریر کو جس سے حضور ختمی مرتبتؐ کے ظہورِ قدسی کو الفاظ کے پیکروں میں ڈھالا گیا ہے۔

محمد عُمر دراز

# صُبحِ بہار

## اے ظہورِ تو شبابِ زندگی
## جلوہ اَت تعبیرِ خوابِ زندگی

جب زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے۔ تمازتِ آفتاب اس کی رگ رگ سے نم زندگی چوس لیتی ہے۔ آسمان کی شعلہ ریزیاں ساری فضا کو دہکتا ہوا انگارہ بنا دیتی ہیں۔ بادِ سموم کی ہلاکت سامانیاں تازگی و شگفتگی کی ہر نمود کو جھلس ڈالتی ہے۔ پھول مرجھا جاتے ہیں۔ شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لالہ کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ پتیاں سوکھ جاتی ہیں۔ شاخیں پژمردہ ہو جاتی ہیں۔ لہلہاتی کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ سرو و صنوبر آتشدان ہو جاتے ہیں۔ تابندہ چشمے دیدۂ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں۔ مرمریں ندیاں خطِ تقدیرِ ارضی کے دُود کش دکھائی دیتے ہیں۔

... رہتے ہیں۔ لوگ دہشت سے سہمے کانپتے ہیں۔ درندے ہانپتے ہیں۔ جنگلی غاروں میں منہ چھپائے ... گھونسلوں میں جا دبکتی ہے۔ وفورِ تپش سے سینۂ کائنات میں سانس رکنے لگتی ہے۔ جنگل ... آسمانی شعلوں کی لپیٹ سے کہیں پناہ نہیں پاتے۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں نرم و نازک زبانیں نکالے ... ہو کر پڑے رہتے ہیں۔ طائرِ نگاہ تک بھی کاشانۂ چشم میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ انسان، زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ سوختہ بخت کسان کھیت کے کنارے کھڑا للچائی ہوئی نظروں سے آسمان کی طرف تکتا ہے کہ کہیں سے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان دکھائی دے۔ لیکن اس کی خاسر و نامراد نگاہیں، حسرت بن کر اس کے ویرانۂ قلب میں لوٹ آتی ہیں اس طرح جب حیاتِ ارضی کے کسی گوشے میں بھی امید کی کوئی باقی نہیں رہتی اور بساطِ کائنات کے کسی کونے میں بھی زندگی کی کوئی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو یاس و ناامیدی کے اس انتہائی عالم میں مبداءِ فیض کی کرم گستری سے سحابِ رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پہ چھا جاتا ہے اور اپنی جواہر پاشیوں اور گہر ریزیوں سے دامنِ ارض کو بھرپور کر دیتا ہے۔ زمینِ مردہ میں پھر سے زندگی آجاتی ہے۔ رگِ کائنات میں نبضِ حیات پھر سے متموّج ہو جاتی ہے۔ فضا کے سینے میں رُکی ہوئی سانس پھر سے زندگی کی جوئے رواں بن جاتی ہے۔ چشموں کی خشک آنکھیں شرابِ زندگی کے چھلکتے ہوئے جامِ نور بن جاتی ہیں۔ ندیوں کی بے آب لکیریں بادۂ جاں فزا کی مسیحا نفسی سے رگِ جاں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سہمی ہوئی خنکیاں غاروں سے نکل کر فضاؤں پہ چھا جاتی ہیں۔ دبکی ہوئی بر ودتیں، کنوؤں کی تہوں سے اچھل کر بساطِ ارض پہ پھیل جاتی ہیں۔ خشک پتیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں میں ازسرِ نو تازگی و شگفتگی آجاتی ہے۔ شگوفے چٹکتے ہیں کلیاں مہکتی ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و لطیف جھونکے سر سبز و شاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جنبش پیدا کر دیتے ہیں گویا بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں —— ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیاتِ تازہ جھومتی مسکراتی، مچلتی، لوٹتی ایک ایسی جنتِ نگاہ بن جاتی ہے۔ جس کی ہر روش میں مسرتوں کے چشمے اُبلتے اور ہر تختے میں قہقہوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ (۴۲/۲۸)

"اور یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ایسی ناامیدیوں کے بعد اپنے سحابِ کرم کو بھیجتی اور اس طرح اپنی بساطِ رحمت کو صفحۂ ارض پہ بچھا دیتی ہے۔"

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ (۷/۵۷)

"اس کی ذات ہے جو (زمین کے جھلس جانے کے بعد) ان ٹھنڈی ہواؤں کو بھیجتی ہے جو اس کے

ابرکرم کی پیشوائی میں ایک حیاتِ نو کی بشارت دیتی ہیں پھر جب وہ ہوائیں، پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے کر اڑتی ہیں تو خدا کا قانون انہیں زمینِ مردہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ وہاں ان بادلوں سے پانی برستا ہے جس سے اسی زمینِ مردہ سے، ہر قسم کے پھول اور پھل پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر طرف زندگی کی نمود ہو جاتی ہے۔"

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط (۳۰/۵۰)

"پس اگر تم آنکھوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت بھی رکھتے ہو تو اللہ کے ان آثارِ رحمت کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح حیاتِ تازہ عطا کرتا ہے۔"

یہ فطرت کا نظام ہے یہ اس کا قانون ہے جس کے قوانین اٹل اور جس کے آئین غیر متبدل ہیں یہ اس کا قاعدہ ہے جس کے قواعد وضوابط میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی کہ تبدیلیاں زمان ومکان کے تغیرات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس کی ذات زمان ومکاں کی قیود سے ماوراء اور ان کے اثرات سے بے نیاز ہے۔

لیکن ان مادی تشبیہات واستعارات سے ہٹ کر ذرا دنیائے انسانیت کی طرف آیئے اور دیکھئے کہ وہاں بھی یہی اصولِ فطرت کس طرح عمل پیرا ہے یہ مادی تشبیہات واستعارات بھی درحقیقت اسی مقصد کے لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ انسان ان محسوسات کی راہوں سے مجرد حقیقتوں کی طرف آئے اور جو کچھ عالم آفاق میں ہو رہا ہے اس سے عالم انفس پر دلیل لائے۔ گذشتہ اوراق میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پیشتر دنیائے انسانیت کی کیا کیفیت ہو چکی تھی۔ تاریخ کی یادداشتیں اس پر شاہد ہیں کہ اس وقت عالم انسانیت کی خشک سالی اس سے کہیں زیادہ شدید ومہیب تھی جس کا تشبیہی منظر اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ اس وقت شجرِ زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب وتمدن کے پھول وحشت وبربریت کی بادِ سموم سے مرجھا چکے تھے۔ حسنِ عمل کے زندگی بخش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔ زمین پر جوہرِ انسانیت کی سرسبزی و شادابی کا کہیں نشان تک باقی نہ تھا۔ کشتِ مذاہب واخلاق کے حدود تو باقی تھے لیکن فصلیں بالکل اُجڑ چکی تھیں۔ اس وحشت وسراسیمگی کے عالم میں خاسر ونامراد انسان اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس وناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ "مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ" یہ وقت تھا کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اس افسردگی وپژمردگی کو پھر سے تازگی وشگفتگی میں بدل دیا جاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اس ربِّ ذوالمنن کا سحابِ کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے آغوش میں لئے ربیع الاوّل کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم

کر آیا اور بلدِ امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا۔ جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ اخلاق و تمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آگئی۔ عمرانیت و مدنیت کے سبزہ پامال میں نزہت و لطافت پیدا ہوگئی۔ اعمالِ صالحہ کے خشک چشمے حیاتِ تازہ کے جوئے رواں میں تبدیل ہوگئے۔ طغیانی و سرکشی کی بادِ سموم، عدل و احسان کی جاں بخش نسیمِ سحری میں بدل گئی۔ فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے۔ آسمان نے جھک کر زمین کو مبارکباد دی کہ تیرے بختِ بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذرّوں کو اس ذاتِ اطہر و اعظم کی پابوسی کی سعادت نصیب ہوگئی جو عالم موجودات کے سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی ہے۔ جس سے شرف و مجدِ انسانیت کی تکمیل ہوگئی، جو علم و بصیرت کے اس افقِ اعلیٰ پر جلوہ بار ہے جہاں عقل و عشق، فکر و نظر، دین اور دنیا، قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں۔ جو دانشِ نورانی و حکمتِ برہانی کے اس مقامِ بلند پر فائز ہے۔ جہاں غیب و شہود کی وادیاں دامنِ نگاہ میں سمٹ کر آجاتی ہیں۔ ہاں تو، آسمان نے خوش بخت زمین کی بارگاہِ عالیہ میں جھک جھک کر ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کیا تو امینِ فطرت نے "جنت سے نکالے ہوئے آدمؑ" کے اس طالعِ بیدار کا تقدیس و تحمید کے زمزموں سے استقبال کیا۔ دنیا سے طاغوتی قوتوں کے تخت الٹ گئے کہ وہ آنے والا آگیا جس کی آمد ملوکیت و قیصریت کے لئے پیغامِ فنا تھی۔ ایران کے آتشکدوں کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اب سے انسانی تصورات کی دنیا تاریکی کی جگہ نور سے معمور ہوگئی۔ دنیا کے صنم کدوں کے بت پاش پاش ہوگئے کہ آج مسلکِ ابراہیمیؑ کی تکمیل کا دن آگیا۔ شیاطین نے پہاڑوں میں جاکر منہ چھپا لیا کہ اب جبر و استبداد کی ہر طاغوتی قوت کے روپوش ہونے کا وقت آگیا۔ دنیا سے باطل کی تاریکیاں دور ہوگئیں کہ آج اس آفتابِ عالمتاب کا طلوع ہوا جس کے بھیجنے والے نے اسے جگمگاتا چراغ "کہہ کر پکارا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ آنے والا جس کی آمد کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (۷/۱۵۷) جب وہ آیا تو اس نے ان اغلال و سلاسل کو ایک ایک کرکے توڑ دیا۔ جن میں انسانیت جکڑی چلی آرہی تھی۔ احبار و رہبان کی تقلید کے اطواق و سلاسل، قیصر و کسریٰ کے استبداد کی زنجیریں توہم پرستی کی بصیرت سوز بندشیں تقسیم انسانیت کے انسانیت کش نسلی جغرافیائی، وطنی، غیر فطری معیار۔ سب ایک ایک کرکے ٹوٹتے چلے گئے۔ اور پابند قفس طائرِ لاہوتی کو پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں۔ اذنِ بال کشائی عطا ہوا۔ اور انسان ایک مرتبہ پھر زمین پر سر اونچا کرکے چلنے کے قابل ہوگیا۔ انسانیت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سیدھی راہ مل گئی۔ عقل کو عشق کا جنون اور عشق کو عقل کی فرزانگی عطا ہوئی۔ فقر کو کلاہِ خسروی اور پادشاہی کو استغنائے فاروقی عنایت ہوا۔ یہ تھی وہ ذاتِ گرامیؐ کہ

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد ولیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ (۳۰/۵۰)

اس طرح وہ دلوں کی مردہ بستیوں میں پھر سے زندگی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔

اسی حقیقت باہرہ کو باندازِ دگر دیکھئے۔ آویزشِ ابلیس و آدم سے سلسلۂ رشد و ہدایت کی ابتداء ہوئی۔ ابلیسی قوتوں کی تائید میں کشش و جاذبیت کا وہ تمام نگاہ فریب سامانِ رنگ و تعطر تھا جو نگارخانۂ طلسم و حیرت کے دامن میں بھر کر رکھ دیا گیا تھا۔ دوسری طرف انسانی راہنمائی کے لئے پیغامِ ازلی تھا جو مبداء فیض کی شانِ ربوبیت سے انسانوں تک پہنچتا رہا۔ عقل محدود میں طبیعیاتی زندگی ہی کو سفرِ حیات کی آخری منزل قرار دے کر، اعلیٰ مقاصد اور بلند اقدار کو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن یہ پیغامِ ازلی اس کے سامنے طبیعیاتی زندگی کی آرائشوں کے ساتھ ساتھ شرفِ انسانیت کی بلند حقیقتوں کو بے نقاب کرتا تھا۔ اس پیغام کی لِم ایک تھی۔ حقیقت ایک تھی۔ لیکن جوں جوں اس طلسم کدۂ رنگ و بو کی پیچیدگیاں بے نقاب ہوتی جاتی تھیں اس تعلیم کی جزئیات میں مناسب ردّ و بدل اور ضروری تغیر و تبدل ہوتا جاتا تھا تاکہ طبعی ارتقا کے ساتھ ساتھ جوہرِ انسانیت میں بھی بتدریج ارتقاء ہوتا جائے۔ یہ ارتقائی مدارج تکمیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رہروانِ شوق کا یہ کاروان سوئے منزل جادہ پیما تھا۔ ان پیغمبرانِ حیاتِ جاوید کا ہر ایک قدم ایک خاص سمت اٹھتا اور ہر نشان ایک آخری مستقر کی طرف اشارہ کرتا جاتا۔ چنانچہ آنے والوں میں سے جو کوئی اپنے منصب کی تکمیل کے بعد واپس جاتا تو جاتے وقت ایک آخری آنے والے کا پتہ نشان بتا کر جاتا۔ تاکہ جب وہ آنے والا آئے تو یہ قافلہ بلا تامّل و توقف اس کے پیچھے ہو لے اور راہ گم کردہ، مختلف وادیوں میں سرگرداں و حیراں نہ پھرتا رہے اس لئے کہ یہ سب ایک ہی سلسلۂ زرّیں کی مختلف کڑیاں تھیں۔ جن میں کی ہر کڑی، سلسلہ کی آخری کڑی کی روشن دلیل تھی۔ یہ سب ایک کتابِ فطرت کے اوراق و ابواب تھے جن میں کا ہر ورق اور ہر باب، کتاب کے آخری باب کی تمہید تھا۔ یہ سب ایک ہی شجرِ طیب کی شگفتہ شاخیں تھیں جو ایک گلِ سرسبد کے لئے نوید بہار تھیں۔ چنانچہ جب مشیتِ ایزدی کی یہ تدبیرِ محکم جس کے لئے زمین و آسمان قرنہا قرن سے یوں سرگرداں پھر رہے تھے، اپنی پختگی تک پہنچی۔

جب انسانیت جس کے لئے کائنات نے ایک ایک ذرّے کو لاکھوں چکّر دیئے تھے۔ گہوارۂ طفولیت سے حریم شباب میں آگئی۔ جب اس صحیفۂ فطرت کی تکمیل کا وقت آگیا جس کے مختلف اوراق ستاروں کی ٹھنڈی ٹھنڈی مرمریں روشنی میں کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے لکھے گئے تھے۔ جب سینۂ کائنات میں اتنی کشاد پیدا ہوگئی کہ وہ اپنے اندر راز ہائے دروں پردہ کے معدنِ لعل و گوہر کو سمولے تو آسمان کی حوریں زمین پر اُتریں کہ جنت کے تر و تازہ پھولوں سے وادیٔ بطحا کی تزئین و آرائش کریں۔ صحنِ گلستانِ کائنات پہ بہار آگئی۔ ہر طرف سے مسرّتوں کے چشمے ابلنے لگے۔ چاند مسکرایا۔ ستارے ہنسے۔ آسمان سے نور کی بارش ہوئی۔ فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کی تفسیر ایک پیکرِ محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی، فلک تعظیم کے لئے جھکا، زمین نے اپنی خاک آلود پیشانی سجدہ سے اٹھائی کہ آج اس کی قرنہا قرن کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آپہنچا تھا۔ صحرائے حجاز کے ذرّے جگمگا اُٹھے۔ بلد امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد آمد تھی جس کی طرف جبل تین پر حضرت نوحؑ نے اشارہ کیا تھا اور جسے کوہِ زیتون پر حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو وجہ تسکینِ خاطر بنایا تھا جس کی آمد کی بشارتیں وادیٔ طورِ سینین میں بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں اور جس کے لئے دشتِ عرب میں حضرت خلیلؑ اکبر اور ذبیح عظیم نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا وہ آنے والا کہ جس کے انتظار میں زمانہ نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں آیا تو اس شانِ زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے۔ فرشتوں نے زمزمۂ تبریک گایا۔ سدرۃ المنتہیٰ کی حدود فراموش شاخوں نے جھولا جھلایا۔ ملاءِ اعلیٰ کی مقدس قندیلوں نے چراغاں کیا۔ کائنات کے ذرّے چمک اٹھے۔ فضائے عالم صلوٰۃ و سلام کی فردوس گوش صداؤں سے گونج اٹھی اور انس و جان وجد و کیف کے عالم میں پکار اٹھے کہ

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں
تو صلوٰۃِ صبح، تو بانگِ اذاں

یہ آنے والا رسولؐ کافۃً للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اس کتابِ مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمدؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبوتؐ میں اتاری گئی۔ مشامِ جاں نوازنے جہاں

بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمن کی ان ہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبیٔ آخر الزماںؐ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدیؐ کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا اور مقامِ محمدیؐ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حُسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے، یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے، یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے، یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں، یہ پھول تھا۔ وہ ذرّے تھے، یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے، یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے، یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے، یہ ملّت تھی۔ وہ نقطے تھے، یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتدا تھی، یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمت اللعلمینی انتہا است

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے، وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے، جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق، دل بند و راہِ مصطفےٰ رو

یہ تھا حاصلِ بہارِ چمنِ کائنات، کہ جس کا ظہور، صبحِ بہارِ کائنات تھا۔

وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنج حرا
وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دوجہاں وہ محمدِ عربی
بروحِ اعظم و پاکش درودِ لامحدود

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(۳۳/۵۶)

(معراج انسانیت۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء صفحہ ۷۵ تا ۷۶)

---

# بقیہ "لمعات"

صفحہ نمبر ۸ سے آگے

اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ان کی تقریر پر ایک ہفتے سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور کسی فرقے نے اس کی مخالفت میں ایک لفظ نہیں کہا۔ یہاں تک کہ مجوزہ پرائیویٹ شریعت بل کے علمبرداروں میں سے بھی کسی نے اس موضوع پر اپنی زبان تک نہیں کھولی۔ حالانکہ حنفی فقہ کی مخالفت کرنا، اہل حدیث علماء کے ایمان کا ایک حصہ ہے اور وہ اس کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ لیکن انہوں نے بھی اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے علماء کی اکثریت کے نزدیک کتاب وسنت سے مراد حنفی فقہ ہی ہے۔ محترم پرویز صاحب ٹھیک کہتے تھے۔

# روئیداد

# خصوصی تقریب بیادِ مفکرِ قرآن

جمعۃ المبارک ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء کو طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نے 8-25 گلبرگ لاہور میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب کا مقصد تھا کہ پرویزؒ صاحب کی قرآنی فکر کے نمایاں پہلوؤں کو بارِ دگر احباب کے سامنے بالخصوص اور قوم کے سامنے بالعموم لایا جائے تاکہ پرویزؒ صاحب کی زبان سے بار بار دہرائے جانے والے اس نعرۂ اقبال کی یاد تازہ رہے کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

اس تقریب کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ اسے مقامی رکھا جائے اور کم از کم اس دفعہ باہر کے احباب کو زحمت کشِ سفر نہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ فروری ۸۷ء کے مجلہ طلوع اسلام میں اس کا اعلان کیا جا چکا تھا، اس سے احباب کی ایک کثیر تعداد باہر سے بھی ۲۶ فروری (بلکہ کچھ احباب اس سے بھی پہلے ۲۳ فروری اور ۲۴ فروری کو ہی آپہنچے۔ جس کا سبب لمعات میں دی جانے والی یہ اطلاع تھی جبکہ خصوصی تقریب بیادِ پرویزؒ صاحب ۲۴ فروری ۸۷ء کو شایانِ شان طریقہ سے منانے کے لئے پروگرام کو حتمی شکل دی جا رہی ہے۔ جس کے لئے ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) اپنے احباب کی اس زحمت کے لئے اُن سے معذرت خواہ ہے جو انہیں اس غلط فہمی سے اٹھانی پڑی۔ حالانکہ رسالے کے اندرونی ٹائیٹل پر مقابلۂ مضمون نویسی کے تحت اس کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ یہ تقریب ۲۷ فروری کو ہو رہی ہے۔

تقریب کا آغاز حسبِ معمول ٹھیک وقت پر (۹½ بجے صبح) اللہ کے پاک کلام سے ہوا۔ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ (کہ جنہیں پرویزؒ صاحب عندلیبِ صحنِ گلستانِ قرآنی کے نام سے پکارا کرتے تھے) نے اپنی روح پرور آواز میں سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ تلاوت کیں اور اُن کا مفہوم پیش کیا۔ اپنی دیرینہ روایات کے تحت محترم مرزا محمد خلیل صاحب

ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام اور خازن طلوعِ اسلام ٹرسٹ نے کلامِ اقبال پیش کیا۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

—— جس نے حاضرین کو مقامِ مومن کی جھلک دکھائی۔

چونکہ پرویز صاحب کی وساطت سے ہمیں قرآن کریم کی روشنی میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ قرآنی معاشرہ میں عورت اور مرد مساوی حیثیت کے مالک اور اسلامی حکومت کے فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں برابر کے شریک کار ہیں۔ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ..... (۹/۷۱) اس لئے اس تقریب کے خطابات کا آغاز محترمہ بہن پروفیسر شمیم انور (کنیرڈ کالج) کے خطاب سے ہوا جو انگریزی زبان میں تھا۔ چونکہ اس تقریب کے تمام مقالات مجلہ طلوعِ اسلام میں شائع کئے جا رہے ہیں، اس لئے ان پر تبصرہ قارئین کے لئے چھوڑا جاتا ہے۔

اس مقالہ کے بعد پرویز صاحب کے برادرِ عزیز ڈاکٹر عارف بٹالوی صاحب نے مخصوص انداز میں "کہاں گئے" کے عنوان سے اُن کی یاد تازہ کرائی۔

اگلا خطاب محترم محمد عمر دراز کا تھا جنہوں نے رموزِ فکرِ پرویز کے عنوان سے حاضرین کو بتایا کہ پرویز صاحب اپنے انداز کے مفکر کیسے بنے اور اُن کی مختلف تصنیفات کے پسِ پردہ کون سے محرکات تھے۔

اس کے بعد محترمہ بہن ثریا عندلیب صاحبہ نے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" کے عنوان سے حاضرین کے سامنے ان کا فریضہ اور مستقبل کا لائحۂ عمل رکھا۔

احبابِ طلوعِ اسلام جانتے ہیں کہ کوئی قوم اپنے اساسی نظریہ سے انحراف کر کے زندگی میں پنپ نہیں سکتی۔ اور قرآنی طالب علموں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اسے دہراتے چلے جائیں کہ پاکستان کی اساس خدا کا عطا فرمودہ "دو قومی نظریہ" ہے۔ اسی فریضہ کی ادائیگی میں محترم حسن عباس رضوی صاحب نے "تحریکِ پاکستان دو قومی نظریہ کی روشنی میں" کے عنوان سے اپنا پُر از معلومات خطاب پڑھا۔

سالِ ماضی کی طرح امسال بھی اس خصوصی تقریب کے سلسلہ میں کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبا و طالبات کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مقابلۂ مضمون نویسی میں حصہ لیں اور انہیں عنوان دیا گیا تھا۔ "پاکستان کی موجودہ معاشرتی اور سیاسی مشکلات نظریۂ پاکستان سے انحراف کا فطری نتیجہ ہیں"۔ اس سلسلہ میں آنے والے مضامین کو پانچ ججوں کے ایک پینل نے پرکھا اور حسب ذیل طلباء مستحقِ انعام قرار پائے۔

اوّل۔ لاء کالج لاہور کے ایل ایل بی کی کلاس کے طالب علم عزیزِ گرامی میاں محمد صادق۔

دوم۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کے ایف ایس سی کے سال دوم کے طالب علم عزیز محترم رفیع الدین عامر۔
سوم۔ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین کی سالِ اوّل کی طالبہ عزیزہ روبی طاہرہ
انعام کے مستحق طلبہ کو بذریعہ تار اطلاع دی گئی تھی کہ وہ اس تقریب میں آکر اپنے انعام حاصل کریں لیکن صرف عزیزہ روبی طاہرہ ہی آسکیں۔ جنہیں تقریب کے دوران ان کا انعام اِن دعاؤں سے دیا گیا کہ اللہ اُن کے قرآنی ذوق میں برکت عطا فرمائے اور اُسے یہ سعادت حاصل ہو کہ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرے۔

تحریک طلوع اسلام اپنے ارتقائی مراحل میں" عنوان تھا اس سے اگلے خطاب کا جسے بزم طلوع اسلام ایبٹ آباد کے نمائندہ محترم غلام مصطفٰے اعوان صاحب نے حاضرین کے سامنے پیش کیا۔

آج معاشرے میں جو فساد برپا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے روزمرہ کے استعمال کے الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم متعین نہیں۔ اور متعین مفہوم سامنے نہ ہونے سے حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھُلا

ہم چونکہ طالب علمانِ قرآن ہیں ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم قرآن کریم سے متعین کریں۔ اسی نسبت سے اگلا خطاب صدرِ تقریب محترم ڈاکٹر صلاح الدین اکبر کا تھا جس کا عنوان تھا۔ "قرآنی الفاظ و اصطلاحات و تصورات" اِن خطابات کے بعد حاضرین کو سالِ ماضی کی طرح محترم پرویزؒ صاحب کی زندگی سے متعلق دستاویزی فلم بعنوان "جہانِ پرویزؒ" کا دوسرا حصہ دکھایا گیا۔ جس میں محترم پرویزؒ صاحب نے امت مسلمہ کے امراض کی تشخیص اور علاج کی نشان دہی کے ساتھ یہ بتایا کہ اُن کے بعد اس فکر کو آگے لے کر چلنے والوں کی کیا ذمہ داری ہو گی اور اس کام کے لیے انہیں کیوں تن تنہا ساری عمر چلتے رہنا ہو گا اس فلم کو محترم محمد لطیف چوہدری صاحب نے اُن حالات میں تیار کیا تھا جبکہ وہ ایک حادثہ کے سبب صاحبِ فراش تھے۔ خدا انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کے حوصلوں کو رفعتِ اَوجِ ثریا۔ تقریب اختتام پذیر ہو رہی تھی کہ اطلاع ملی کہ محترم پرویزؒ صاحب کے دیرینہ رفیق جناب نذیر فاروقی سیالکوٹ سے تشریف لائے ہیں۔ جنہوں نے اپنی فنی مہارت اور پُرسوز آواز میں پہلے محترم پرویزؒ صاحب کی یاد میں اپنے اشعار اس مطلع سے کہے ؎

میرے محترم، میرے احترام، شیریں سُخن، شیریں کلام
اقبال کس کو سُناؤں گا کہاں ہو گا اب اپنا قیام ؎

اور پھر کلام اقبالؒ کا وہ حصہ سنایا جو وہ محترم پرویز صاحب کو سنایا کرتے تھے۔

یوں یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی 254-B گلبرگ کا وسیع لان کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ خواتین و حضرات کے لیے الگ الگ نشستوں کا انتظام تھا۔ لیکن ہر لمحہ آنے والے مہمانوں کی کثرت سے منتظمین تمام وقت اضافی کرسیاں مہیا کرتے رہے۔ اس تقریب کی شاندار کامیابی سے ہمیں یقین ہو چلا ہے کہ محترم پرویز صاحب کی پھیلائی ہوئی قرآنی روشنی انہی کے الفاظ میں "اپنے زورِ دروں" سے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کے سائے میں انسانیت کے راستوں کو روشن کرتی چلی جائے گی۔ واللہ المستعان!

---

## نذرانۂ عقیدت

میرے محترم، میرے احترام، شیریں سخن، شیریں کلام
اقبال کس کو سناؤں گا کہاں ہوگا اب اپنا قیام
تیرے نقش، تیرے رنگ کو دیکھا ہے سب نے قریب سے
تیرا نقش ہے نقشِ ثبات، تیرا رنگ ہے رنگِ دوام
تیرے خلق کو، کردار کو، کیسے بھلا سکتا ہوں میں
تیرا خلق، خلقِ عظیم ہے، کردار میں اعلیٰ مقام
ہمیں چھوڑ آپ چلے گئے، کہیں کیا نہیں یہ کسی کا بس
امام الانبیاء بھی نہ بچ سکے، حکمِ اجل ہر خاص و عام
گذری عمر ساری تیری قرآن کے غور و فکر میں
تیری عظمتوں کو سلام ہے، میرا سلام سب کا سلام
یہ دعا ہے ربِّ کریم سے، قدوس اور رحیم سے
تجھے رکھے اپنی پناہ میں، جنت میں دے اعلیٰ مقام

نذیر فاروقی سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# رموزِ فکرِ پرویزؒ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

میرے قرآنی بہنو اور بھائیو! السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

محترم پرویزؒ صاحب کہ جنہیں ہم سب ان کی مُعلمانہ وسیع القلبی اور بزرگانہ شفقت کے سبب بابا جی کہہ کر پکارتے تھے اور جن کی برسی کے بہانے ہم آج ان کی قرآنی فکر کے مزید گوشوں سے آگہی حاصل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ایک اور منفرد خصوصیت کے مالک تھے۔ جس خصوصیت نے ہم پروانوں کو اپنی طرف تو کھینچا مگر شمع بن کر جلایا نہیں بلکہ ہمارے قلوب واذہان کو علم اور نورِ قرآن سے منور کر دیا اور ان اسالیبِ فہمِ قرآن سے متعارف کرایا جنہیں خود قرآن کریم نے متعین کیا ہے اور جن کے بغیر بات نہ بنتی تھی۔

ان کی یہ خصوصیت قرآن کریم کے مطالب کی دورِ حاضرہ کے علوم کی روشنی میں وہ سائنٹفک تعبیر ہے جسے انہوں نے عام فہم اور دل نشین پیرائے میں اس طرح بیان کیا کہ ہر سربستہ راز پکار اٹھا کہ:۔

تو نے یہ کیا غضب کیا، مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

اور جس کے جواب میں بابا جی ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں نے تو کچھ ایسا نہیں کیا۔ بلکہ صورت یوں تھی کہ

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

لیکن یہ مردِ قلندر جس کی ابتدائی زندگی تصوف کی ریاضتوں اور بواجی اسلام کی تعلیم کے حصول میں گزری۔ کس طرح ان اسرار و رموز کو زبان زدِ خلائق کرنے کے قابل ہوا۔

لیجئے میں آپ کو محترم باباجی کی گذرگاہِ خیال وفکرِ قرآنی کے اُن اہم زندگی ساز موڑوں میں سے چند ایک سے آگاہ کروں جنہوں نے چوہدری غلام احمد پرویز کو ایک ایسا مفکر و مفسرِ قرآن بنا دیا جس کی فہمِ قرآنی بے مثال اور جس کا اندازِ بیان ایسا اچھوتا ہے۔

محترم پرویز صاحب کی اس منفرد قرآنی فکر کی ابتداء حضرت علامہ اقبال ؒ سے قربت حاصل ہونے پر ہوئی اور انہی کے سجھائے ہوئے خطوط و اشکال تھے جن پر باباجی کی ابتدائے نگارش کا بے مثال کارنامہ سلسلۂ معارف القرآن کی شکل میں قوم کے سامنے آیا۔ اس سلسلہ تصنیف کی ترغیب اور اس دشت کی جادہ پیمائی کے آغازِ کار کو باباجی کے الفاظ میں سنیئے۔

باباجی لکھتے ہیں کہ:۔

"جس نہج پر معارف القرآن لکھی گئی ہے اس کا خاکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن کا مرہونِ منت ہے۔ میں نے اس خاکہ کو ایک مفصل خط کی صورت میں اربابِ علم و قلم کو بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ اگر وہ اس قسم کی کتاب کی افادیت سے متفق ہوں تو ایسی کتاب تصنیف کریں۔ ان تمام حضرات نے خاکے کی بہت تعریف کی لیکن ہر ایک نے یہ لکھ کر معذرت چاہی کہ ایسا کام افراد کا نہیں۔ جماعتوں کے کرنے کا ہے۔ میں نے حضرت علامہؒ کو اس سے مطلع کیا اور لکھا کہ اس کام کے لئے کوئی۔ ۔ ۔ ۔ آدمی ۔ ۔ ۔ ۔ تیار نہیں ہوتا انہوں نے اس خط کے حاشیے پر لکھ کر خط واپس کر دیا کہ "اگر کچھ وقت کے لئے تم ہی آدمی بن جاؤ تو اس میں کیا حرج ہے"؟ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اس قسم کا قرآنی انسائیکلوپیڈیا لکھنے کے لئے وہ میری طرف اشارہ کریں گے۔ میں نے جب اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی تو انہوں نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات لکھ دی جس نے میری زندگی کا رُخ بدل دیا۔

انہوں نے تحریر فرمایا "تم مسافت کی لمبائی اور راستہ کی تاریکی سے ڈرتے ہوئے قدم نہیں اٹھاتے کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے پاس جو چھوٹا سا مٹی کا دیا ہے وہ صرف دو چار قدم تک راستہ روشن کر سکتا ہے۔ تمہارا یہ خوف اسی وقت تک ہے جب تک تم اس دیئے کو لے کر ایک جگہ کھڑے ہو۔ تم اسے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لے کر چل پڑو۔ اور پھر دیکھو کہ یہی چھوٹا سا دیا کس طرح سینکڑوں میل کا راستہ روشن کرتا چلا جاتا ہے۔ نقص دیئے کا نہیں تمہارا اپنا ہے۔ تمہارے چلنے کی دیر ہے یہ روشنی تم سے چار قدم آگے آگے ہو گی اور جہاں تک چلتے جاؤ گے، آگے ہی آگے رہے گی"۔ میں نے

بلا مزید استفسار و تامّل اس ننھّے سے دیئے کو ہاتھوں میں لے کر چلنا شروع کر دیا اور تجربے نے بتا دیا کہ یہ دیا فی الواقع میرے راستہ کو مسلسل روشن کرتا چلا گیا۔"
(قرآنی فیصلے جلد دوم صـ۱۱۱-۱۱۰)

اور رفیقانِ محترم یوں محترم باباجی نے دنیائے انسانیت کو قرآنِ کریم کا انسائیکلوپیڈیا بعنوان سلسلہ معارف القرآن دیا جس کے تحت من و یزداں، ابلیس و آدم، جوئے نور، برقِ طور، شعلۂ مستور، معراج انسانیت، کتاب التقدیر اور جہانِ فردا جیسی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جن سے سینکڑوں ہزاروں نہیں، لاکھوں انسان جہالت کے ظلمات سے علم کی روشنی میں آ گئے۔

آیئے اب ہم باباجی کی حیاتِ فکرِ قرآن کے ایک اور اہم موڑ سے آگاہی حاصل کریں جس کے نتیجہ میں ان کی ایک اور معرکۃ الآراء تصنیف قرآنی نظامِ ربوبیت کی شکل میں ہم تک پہنچی۔ جس نے معاشیات کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ کچھ ماہرین امورِ اقتصادیات و معاشیات ہی لگا سکتے ہیں۔ اس کتاب کے اقتباسات ماضی قریب میں موجودہ حکومتِ پاکستان کے زیرِ ہدایت تشکیل پانے والی اُس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں متعدد بار دیئے ہیں کہ ان کے بغیر اُن کی بات نہ بنتی تھی جس کا نام A COMITTEE FOR ISLAMIC ECONOMIC REFORM اور جس کی مرتب کردہ رپورٹ پر محترم پرویزؒ صاحب نے اپنی زندگی میں ان مرتبین کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا تھا لیکن ....... اسے شاید بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ باباجی معاشیات پر ایسی نایاب کتاب لکھ کیسے پائے۔ اس کا محرّک ان کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ ہے جو انہیں تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران پیش آیا اور جسے انہوں نے خود مجھے سنایا تھا۔

محترم پرویزؒ صاحب نے کہا کہ:-

ہم تحریکِ حصولِ پاکستان کے اپنے دوروں کے سلسلہ میں پشاور پہنچے۔ ایک معمولی سے ہوٹل میں قیام تھا کہ ایک دن محترم صدر صاحب (بارِ خدایا یہ لب پہ کس کا نام آیا؟ محترم خاں بخت جمال خاں کہ جن کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں صوبہ سرحد ریفرنڈم کے بعد پاکستان کا حصہ بنا۔ سرحد مسلم لیگ کے پہلے صدر جو بعد میں صدر صاحب ہی کے نام سے جانے گئے) محترم صدر صاحب کے ہمراہ ایک بزرگ پٹھان آئے اور کہا کہ مفکرِ قرآن سے ملنے کا اشتیاق مجھے آپ تک کھینچ لایا ہے۔ ان کی بھویں تک سفید ہو چکی تھیں لیکن پاک و صاف زندگی کی شہادت ان کے سپید چہرہ پر سرخی کی رنگت بن کر پھیلی ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں مجھ سے پوچھا کہ سرحد میں کوئی چیز اچھی بھی لگی؟ میں نے کہا کہ مجھے پشاور شہر بہت پسند آیا ہے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ وہ بزرگ آگ بگولا ہو گئے اور پشتو زبان میں نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔ صدر صاحبؒ اور ان کے رفقاء

اُن بزرگ کو پکڑ پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ ان سب کو پچھاڑ کر نکل جانے کی سعی میں مصروف تگ وتاز۔ غصے میں ان کے چہرہ کا سُرخ رنگ یوں تمتما اٹھا تھا جیسے سارے جسم کا خون چہرے میں آگیا ہو۔ آخر کار وہ چلے ہی گئے۔

جب صدر صاحبؒ اوران کے رفقاء انہیں رخصت کر کے واپس آئے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ میں نے کون سی ایسی غلط بات کہہ دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

حاضرین کرام! جواب کو غور سے سُنیئے کہ یہ وہ مرحلہ ہے جس نے محترم پرویزؒ صاحب کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

محترم صدرؒ صاحب نے کہا کہ " یہ بزرگ کہہ رہے تھے کہ تم لوگ اس شخص کو قرآن کا مفکر کہتے ہو، اسے تو قرآن کی ق۔ب بھی نہیں آتی۔

جو شخص اس شہر کی تعریف کرے جہاں روٹی پیسے سے بکتی ہو اسے قرآن سے کیا نسبت " ؟

اور محترم پرویزؒ صاحب بحر قرآن میں غوطہ زن ہوئے اور قرآن کریم سے روٹی کے مسئلہ کا حل ڈھونڈ لائے۔ جسے انہوں نے " قرآنی نظامِ ربوبیت " کے نام سے اپنی کتاب کی صورت میں قوم کو دیا۔ اور جس نے یہ بتایا کہ قرآن کریم، انسان کی سب سے بڑی ضرورت اور اس کی معاشی زندگی کے سب سے ادق مسئلہ یعنی " روٹی " کا کیا حل بتاتا ہے۔

معزز حاضرین! میں نے آغازِ کلام میں محترم پرویزؒ صاحب کی جس منفرد خصوصیت کا ذکر کیا تھا اس سے متعلق میں اُن کی زندگی کے آخری ایام کا ایک واقعہ آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اُن کا اہم ترین مسائل کو بیان کرنے کا انداز کیسا اچھوتا اور سہل ہوتا تھا۔

یہ نومبر ۱۹۸۴ء کے وسط کی بات ہے پرویز صاحبؒ اپنے آخری آپریشن کے بعد ابھی جنرل ہسپتال لاہور ہی میں تھے۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت محترم شیخ عبدالحمید کی بھانجی عزیزہ طاہرہ جوان کی تیمارداری کیلئے خاص طور پر اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد آیا کرتی تھی، موجود تھی۔

ہم دونوں باری باری ان سے باتیں کرتے جا رہے تھے اور باباجیؒ خاموشی سے ہماری باتیں سُن کر ہاں، ہوں میں جواب دے رہے تھے کہ عزیزہ طاہرہ نے کہا کہ باباجی آپ صرف سُن رہے ہیں کچھ بولتے نہیں ایسا لگتا ہے آپ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

حاضرین کرام ہمہ تن گوش ہو جایئے اور سُنیئے کہ اس عظیم مفکر کا سبق آموز جواب کیا تھا۔

باباجی نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ بیٹی **سوچ** ہی تو زندگی کی نشانی ہے۔ مُردے تو نہیں سوچا

کرنے اور یہی ایک مابہ الامتیاز فرق ہے جو انسان کو حیوان سے متمیز کرتا ہے۔
—— وہ جو قرآن حکیم میں حضور نبی اکرمؐ کی زبان مبارک سے قریشِ مکہ کو کہلوایا گیا تھا کہ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ---- ۳۴:۴۶
تو اس میں تتفکروا سے مراد یہی تھا کہ انسان بنو!
ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ محترم پرویزؒ صاحب کے اندازِ بیان سے بات کتنی آسانی سے دل میں اتر جایا کرتی تھی کیونکہ یہ عشق کے دردمند کا طرزِ کلام تھا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

اس مختصر سے وقت میں جو مجھے حاصل ہے میں یہی چند واقعات آپ کی خدمت میں پیش کر سکا ہوں۔ لیکن ایک عظیم واقعہ جو محترم پرویزؒ صاحب کے کردار کی عظمت اور ہمارے لئے مناسب ترین نشانِ راہ ہے، بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔
آپ بخوبی جانتے ہیں کہ باباجیؒ کے قائداعظم علیہ الرحمۃ کے ساتھ کتنے گہرے روابط تھے کہ یہی ایک شخصیت تھی جس کے متعلق قائداعظمؒ کی جو سپروٹوکول کے انتہائی پابند تھے، ہدایت تھی کہ بغیر پیشگی وقت PREVIOUS APPOINTMENT لئے کبھی بھی ان سے ملاقات کر سکتے ہیں اور ان تعلقات کی بنا رشتۂ قرآن تھا۔
تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران طلوعِ اسلام نے کس مپرسی کی حالت میں جس خوبی سے اپنا فریضہ نبھایا۔ قائداعظمؒ اس سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی طرف سے پاکستان بننے کے بعد محترم پرویزؒ صاحب کو اپنی حسبِ منشا کسی بھی مسند کے انتخاب کا اختیار تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے لئے مرکزی حکومت میں وہی کرسی پسند کی۔ جس پر وہ حکومتِ ہند کی ملازمت کے دوران بیٹھتے آئے تھے۔
قائداعظمؒ نے طلوعِ اسلام کی خدمت اور اس کے مشن کے پیشِ نظر پرویزؒ صاحب کو یہ کہہ کر مالی تعاون کی پیش کش کی کہ تحریکِ حصولِ پاکستان والے حالات اب باقی نہیں رہے۔ اب خدا کے فضل سے ہماری اپنی حکومت اور اس کے وسائل ہیں۔ آپ طلوعِ اسلام کے لئے گرانٹ قبول کر لیں۔ باباجیؒ خاموشی سے اس بار بار دہرائی جانے والی پیش کش کو ٹالتے رہے۔ لیکن قائداعظمؒ کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر ایک دن انہوں نے قائداعظمؒ سے یہ کہا کہ:
"سر! آج تک جب بھی میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو میرے قلم اور میرے خدا کے درمیان کوئی تیسری قوت

حائل نہیں ہوتی۔ میں جو کچھ قرآن سے پاتا ہوں بلا کم و کاست لکھ دیتا ہوں۔ لیکن اگر میں حکومتِ پاکستان یا آپ سے کوئی مالی امداد قبول کرتا ہوں اور کل کو اگر حکومتِ پاکستان یا آپ کے کسی خلافِ قرآن اقدام کے متعلق مجھے لکھنا پڑتا ہے تو یہ امداد میرے تبیانِ حق کے راستے میں حائل ہو سکتی ہے اور یہ وہ نقصان ہوگا جسے مادی دنیا کی بڑی سے بڑی کشش بھی پورا نہیں کر سکتی۔

قائداعظم جتنی عظیم شخصیت کے مالک تھے یہ اس کا مظہر تھا کہ انہوں نے سربراہِ حکومت ہوتے ہوئے اپنی حکومت کے ایک اہلکار کے ایسے صاف اور دوٹوک جواب کو خندہ پیشانی سے سُنا اور پرویزؒ صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ MY BOY, YOU ARE RIGHT, I AM PROUD OF YOU! اور پرویزؒ صاحب اس واقعہ کی یاد دہراتے وقت رقت آمیز لہجہ میں کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے عظیم قائدؒ کے دستِ شفقت کی ٹھنڈک آج بھی اپنے کندھے پر محسوس ہوتی ہے۔

میرے قرآنی ہمسفرو!

آج محترم باباجیؒ ہمارے درمیان نہیں کہ ہمیں مزید رہنمائی دیتے رہیں لیکن ان کا چھوڑا ہوا علمی ورثہ اتنا گراں بہا اور ضخیم ہے کہ اگر ہم اسے زندہ رکھ سکیں اور آگے چلا سکیں تو ہم بجا طور پر یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ ہم نے اپنے مشفق معلم کی شب بیداریوں اور جگر سوزیوں کا ضیاع نہیں ہونے دیا۔ ان کی اس فکر کو استمرار دوام دینے اور اسے مزید ارتقائی منازل سے ہمکنار کرنے کی غرض سے طلوعِ اسلام ٹرسٹ کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ جس نے اپنے سامنے وہ مقصد رکھا ہے جسے عَقَبَہ یعنی پہاڑ کی گھاٹی چڑھنے کا کام کہا جا سکتا ہے۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ اپنے تمام قرآنی بہن بھائیوں سے مالی اور علمی معاونت کا خواہاں ہے اور امید رکھتا ہے کہ وہ حسبِ سابق اپنا دستِ تعاون کشادہ رکھیں گے کیونکہ آپ سب جانتے ہیں کہ تحریک طلوعِ اسلام کا یہ خاصہ رہا ہے کہ یہ اپنے حلقہ سے باہر کبھی بھی کسی کی معاونت قبول نہیں کرتی۔

میں آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اس قرآنی نور کو اس جہان میں عام کرنے کی سعادت بخشے جس سے آگاہی ہمارے مرحوم باباجیؒ کی رہینِ منّت ہے کہ ان سے ہی ہماری نسبت اور اُن سے ہی ہمارا رشتہ ہے۔

والسلام علیکم

محمد عمر دراز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تحریکِ پاکستان دو قومی نظریہ کی روشنی میں

محترم حسن عباس رضوی صاحب کا وہ مقالہ جو انہوں نے محترم پرویزؒ صاحب کی یاد میں ہونے والی تقریب ۲۷ فروری ۱۹۸۷ء میں حاضرین کی خدمت میں پیش کیا۔

صاحب صدر، معزز حاضرین و حاضرات! السلام و رحمت

قیدِ قفس کے بعد کرے گا قیدِ گلستاں کون گوارا
اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں

## نظریات میں اختلاف

تحریکِ پاکستان کے وقت ہندوستان میں ایک ہی مسئلہ تھا جو لوگوں کو ہر وقت وقفِ اضطراب رکھتا۔ وہ مسئلہ متحدہ اور جداگانہ قومیت کا تھا۔ ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی اسی مابہ النزاع مسئلہ کے گرد گھوم رہی تھی۔ ہندو اور اس کے ہمنوا نیشنلسٹ مسلمانوں کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک قوم کے افراد تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قومیت کا مدار وطن کا اشتراک تھا اس کے برعکس تحریکِ پاکستان کے داعی مسلمانوں کا دعویٰ یہ تھا کہ

بنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے۔

قومیت کا یہ تصور ۱۹۳۷ء میں مصورِ پاکستان نے از سرِ نو مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ایک بیان کے سلسلہ میں دیا تھا اس تصور نے مسلمانانِ ہند کی راہیں آسان کر دیں اور یہ نظریہ زبان زدِ عام ہونے لگا کہ اسلام میں قومیت کا مدار وطن۔ رنگ۔ نسل۔ زبان وغیرہ کے اشتراک پہ نہیں۔ یعنی جو لوگ اسلامی نظریہ حیات پہ یقین رکھتے ہیں وہ ہندوستان یا دنیا کے کسی حصہ میں بھی بستے ہوں، ایک قوم کے افراد ہیں اور باقی سب مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک یا ایک سے زیادہ غیر مسلم قومیں ہیں۔ بلکہ قرآن حکیم کے اس بیان کے مطابق یہ سب مل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک قوم بنتے ہیں کہ

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ..... ۶۴/۲

"خدا وہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو پیدا کیا پھر تم میں سے تصورِ حیات کی بنا پہ دو قومیں بن

گئے۔ یعنی ایک مومن اور دوسرے کافر (یعنی غیر مسلم)"

گویا قرآن حکیم کی رُو سے دنیا میں قومیں دو ہی ہیں۔ ایک مسلم اور ایک غیر مسلم۔ چنانچہ قومیت کا یہی اختلاف مطالبۂ پاکستان کی بنیاد تھی۔ اور قومیت کا یہی تصور جداگانہ مملکت کی دلیل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بانیٔ پاکستان، قائداعظم محمد علی جناحؒ نے یہ اعلان کر دیا کہ "مسلمان ہندوستان کی اقلیت نہیں بلکہ ایک علیحدہ اور مستقل قوم ہیں اور ہندوؤں کا ذکر کرتے ہوئے ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نہیں سمجھتا کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ مسلمان بجائے خویش ہندوؤں سے الگ ایک مستقل قوم ہیں۔"

ہم دونوں جماعتوں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطۂ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ (ایڈورڈ کالج پشاور میں ۱۹۴۵ء خطاب)

اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء سے انٹرویو)

## سرسید احمدؒ

یہ تھے علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ اسی قبیل کے ایک پُروقار فردِ اکبر بھی ہمارے سامنے آتے ہیں جن کے ذکر کے بغیر تکمیلِ بیان ممکن نہیں۔ وہ ہیں محترم سرسید احمد خانؒ۔ ترکِ ملازمت کے وقت انہوں نے فرمایا۔

"میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھ سکتا تھا کہ قوم پھر پنپ سکیگی اور از سرِ نو عزت پا لینے کے قابل ہو جائے گی۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے نڈھال کر دیا اور میرے بال سفید ہو گئے۔"

اس سلسلہ میں انگریز کے تشدد اور ہندوؤں کے تعصب سے تنگ آکر سرسید احمد خانؒ نے ۱۸۶۷ء میں بنارس کے کمشنر شیکسپیئر کو مخاطب کر کے کہا:۔

"اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہیں ہو سکیں گی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب سے ابھرے گا۔ جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔"

جب سرسید احمد خانؒ نے علیگڑھ کی بنیاد رکھی تو طالبعلموں سے فرمایا:۔

"یاد رکھو سب سے سچا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ اس پر یقین

اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے ۔
رکھنے سے ہماری قوم قوم ہے ۔
پھر اگر تم آسمان کے تارے بھی ہو گئے تو کیا ؟ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں باتوں کے
نمونے ہو گے اور جبھی تمہاری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہو گی ۔"
SLOGAN اتفاق کی بات ہے کہ سر سید احمد خان رح کا دبا ہوا اس وقت میں یہ درس مطالبۂ پاکستان کا سلوگن
بن گیا کہ " پاکستان کا مطلب کیا ؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ "

## نشانِ منزل

عزیزان گرامی قدر ! یہ ہیں مطالبۂ پاکستان کے نقوش یعنی دو قومی نظریہ جسے اسلام کے متذکرہ بالا مشاہیر نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا ۔ یہ ایک عام فہم سی بات ہے کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا خدا کا تصور الگ ، کتاب کا تصور الگ ، نبوت کا تصور الگ حتیٰ کہ نظامِ حیات (دین) کا تصور الگ ، پھر یہ متضاد نظریات رکھنے والے ایک قوم کیسے ہو سکتے ہیں ۔ بہرحال کاروانِ صدق و صفا شمعِ قرآنی کی روشنی میں آگے بڑھتا رہا ۔ قصرِ پاکستان کی تعمیر کا ابتدائی مرحلہ اس وقت طے ہوا جب دسمبر ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال رح نے آلہ آباد کے مقام پر اپنے مشہور خطبۂ صدارت میں منزل کی نشاندہی کر دی اور پاکستان کا نقشہ قوم کے سامنے پیش کر دیا ۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ حقیقت منتظرِ لباسِ مجاز میں سامنے آئے ۔ تصوّرِ پاکستان کے خالق رخصت ہو گئے اور یہ بارِ گراں قائدِ اعظم رح کے کندھوں پر آ پڑا ۔ چنانچہ انہوں نے مصوّرِ پاکستان کے پیش کردہ نقشہ پر کام کرنا شروع کر دیا ۔ آخر کار ۲۳ ، مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلمانانِ ہند نے قائدِ اعظم رح کی سربراہی میں اس " ARCHITECT " کے مرقد کے سرہانے کھڑے ہو کر متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ پاکستان کا نقشہ پاس کر دیا ۔ اس تقریبِ سعید کے موقع پر طلوع اسلام نے قائدِ اعظم رح کی خدمت میں جو سپاس نامہ پیش کیا وہ بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔

ابتدائے نگارش ملاحظہ ہو ۔

" بشرفِ نظر شیرِ بیشۂ بے باکی و حریت ، ضیغمِ نیستانِ جرأت و بسالت ، شاہینِ افلاکِ تدبر و سیاست ، پروانۂ شمعِ اخوت و حمیت ، طرۂ کلاہِ ملک و ملت ، بطلِ جلیلِ ہندیاں و قائدِ اعظم رح اسلامیاں ، عزت مآب محترم المقام جناب محمد علی جناح مدظلہ العالی ۔

اس سپاسنامہ میں تحریکِ پاکستان کو جن جن مراحل سے گزرنا پڑا اور جن جن باطل قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ۔ اصل میں تحریکِ طلوع اسلام اور تحریکِ پاکستان ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں ۔ اور طلوع اسلام بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح رح کی دیرینہ ہدایت کے مطابق ، آج تک پاکستان اور دو قومی نظریہ کے دفاع میں مصروفِ تگ و تاز ہے کہ یہ اس کا جزوِ ایمان ہے اور وہ ابدالآباد تک ایسا کرتا رہے گا

کہ شاید آئندہ آنے والی نسلوں کو ایسے نقش پا نظر آجائیں۔ کہ تحریک طلوع اسلام کا کوئی کارواں یہاں سے گزرا تھا۔

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

## ستم ظریفی

برادرانِ محترم! ہم اس نعمت کو پاکر پھولے نہیں سماتے تھے کہ ہم نے دو بڑی مکار اور اکمال قوتوں کے خلاف جذبۂ ایمانی کی قوت کے ساتھ ایک عظیم جنگ صرف ۱۷ سال میں جیت لی اور مصور پاکستان کی لاج رکھ لی۔ اس معرکہ کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنا محال ہے کہ اس قلیل مدت میں کوئی قوم آزاد ہوئی ہو اور ایک نیا ملک دنیا کے نقشہ پر ایک عظیم مملکت بن کر ابھرا ہو!

نقیبانِ قافلۂ قرآنی!

مدت کے بعد اذنِ تبسم ملا ہمیں
وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے

آنسو اس لئے نکل پڑے کہ چالیس سال ہونے کو آئے۔ قائداعظمؒ کے پاکستان کے اندر نظامِ الٰہی کے نفاذ کے لئے دیا ہوا نقشہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس نقشہ کے الفاظ و خطوط اور حدود و قیود یعنی (LAWS AND MOST OF THE BY LAWS) قرآن حکیم کی صورت میں موجود تھے کہیں باہر سے امپورٹ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جس کے لئے کسی (FOREIGN EXCHANGE) کی ضرورت تھی۔ کیا یہی انداز ہوتے ہیں زندہ قوموں کے؟ کیا یہی اسلوب ہوتے ہیں اپنے محسنین سے باندھے ہوئے پیمانِ وفا کے؟

تاریخ شہادت ہے اس طرزِ تغافل کی
پیمانِ وفا کچھ ہیں، اندازِ وفا کچھ ہیں

## ایک قرآنی یادداشت

اس سلسلہ میں اگر اجازت ہو تو پاکستان کی تاریخ سے ملتا جلتا ایک واقعہ سناؤں جو قرآنی یادداشت پر مبنی ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر نبی حضرت موسیٰؑ قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے چنگل سے آزاد کرا کے مصر سے نکال لائے تھے۔ انہیں آباد ہونے کے لئے ایک خطۂ ارض کی ضرورت تھی چنانچہ سالارِ کارواں نے بابِ فلسطین پر کھڑے ہو کر جماعت سے کہا کہ یہ خطۂ ارض اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دیا ہے اس کا قبضہ لے لو۔ انہوں نے داخل ہو کر قبضہ لینے سے انکار کر دیا اور حجتیں کرنے لگے۔ اس نافرمانی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے وہ سرزمین چالیس سال تک ان پر حرام کر دی۔ یعنی اس سے محروم کر دیئے گئے (۲۶-۲۱/۵) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نافرمان قوم کو چالیس برس تک جنگلوں اور صحراؤں میں لئے پھرتے رہے۔ چنانچہ اس مدت میں ایک ایسی تربیت یافتہ نسل ابھری جو اللہ تعالیٰ کے معیار پر پوری اتری۔ تب انہیں اس سرزمین کا قبضہ

عطا کر دیا گیا۔

عزیزانِ محترم! وہ مقہور قوم چالیس سال کی محرومی اور دربدری کی زندگی بسر کرنے کے دوران ایک مخیر العقول قوم بن کر ابھری اور اللہ تعالیٰ کے پیمانہ پر پوری اتر کر منعم علیہ بن گئی۔ لیکن ہم چالیس سال کی آزاد اور مقتدر زندگی بسر کرنے کے بعد بھی وہ کچھ نہ کر سکے جس کے لئے ہم نے پاکستان کا خطہ حاصل کیا تھا۔ یعنی نظامِ الٰہی کا نفاذ۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ملک ہمارے پاس ہے خدا کا عطا کردہ ایک مکمل اور منزہ قانون ہمارے پاس ہے پھر وہ کون سی بات ہے جو اس کے راستے میں حائل ہے۔ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم پیمانِ وفا کے سلسلہ میں مخلص نہیں!!

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا انہیں پاس نہیں

**طلسمِ تاخیر** فرنگی سیاست کا یہ کارگر حربہ ہے کہ اگر کسی سکیم کو ناکام بنانا ہو تو اسے تاخیر کی پٹڑی پر ڈال دو، وہ خود ہی دم توڑ دے گی۔ لیکن ہم نے بھولے سے بھی اس مقولہ پر کبھی غور نہ کیا کہ شاید اس کا تعلق زمانۂ قدیم سے تھا۔ لیکن یہ بھول گئے کہ زمانۂ قدیم ہو یا جدید، ابدی حقیقتیں کبھی بدلا نہیں کرتیں کیونکہ ان کا تعلق قانونِ فطرت سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس تاخیر سے ان گنت قباحتوں نے جنم لیا لیکن سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ دو قومی نظریہ جو پاکستان کی اساس تھی، اُس کے نقش دُھندلے پڑ گئے پاکستان میں ہر طرف سے متعدد قومیتوں کے دھارے پھوٹنے لگے۔ جو اس وقت نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔ صد حیف کہ یہ سب کچھ کیا دھرا ان لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ جس نسبت سے وہ مسلمان کہلاتے ہیں اس کا سرچشمہ قرآنِ حکیم ہے جس کی رُو سے دنیا کے اندر صرف دو قومیں ہیں۔ ایک مسلمان اور دوسری غیر مسلم۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ ۶۴/۲

"خدا وہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا پھر تم میں تصورِ حیات کی بناء پر دو قومیں بن گئیں۔ یعنی ایک مومن اور دوسرے کافر (غیر مسلم)"

کیا قرآن کریم کی یہ شہادت ان کے لئے قابلِ قبول نہیں لیکن یہ سارا قصور اس طبقہ کا ہے جس کے ہاتھوں میں چالیس سال تک عنانِ حکومت رہی ہے کیونکہ اسلام میں حکومت کا تصور ہی یہی ہے کہ وہ قانونِ الٰہی کے نفاذ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۵/۴۸

"جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے (قرآن) اس کے مطابق حکومت قائم کرو۔"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۵/۴۴)

..... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (۵/۴۵)

..... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۵/۴۷)

"اور جو قانون الٰہی کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔

لہٰذا ہم سب کو ہر سطح پر اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ کیا ہم نے خدا کے مذکورہ بالا حکم کی تعمیل کی جس سے ہم مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نفاذِ نظامِ الٰہی میں تاخیر سے کس قسم کی قباحتیں پیدا ہوئیں اور سب سے بڑا ظلم یہ کہ اساسِ پاکستان ہی کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے سابق چیف جسٹس محمد منیر نے ۱۹۶۴ء میں پاکستان ٹائمز میں ایک مبسوط مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا (DAYS TO REMEMBER) جس کے آخر میں یہ گوہر افشانی فرمائی کہ

"تشکیل پاکستان کے وقت کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگا۔"

شاید یہ بات انہوں نے اس حصہ عمر میں کہی ہوگی جو قرآنِ حکیم کی رو سے "ارذل" ہوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تحریک پاکستان کے دوران بانیٔ پاکستان کے وہ بیانات ان کی نظر سے کبھی نہ گزرے جن کا مختصراً ذکر آغازِ کلام میں کیا گیا ہے۔ یہ زہر ہلاہل کچھ ناسمجھ نوجوانوں کی رگوں میں سرایت کر گیا اور انہوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے ہی کچھ کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس اخبار میں نئی نسل کے ایک نوجوان نے بیان دیا کہ۔

"پاکستان کی تشکیل کا اصل مقصد تو سیاسی اور معاشی اقتدار حاصل کرنا تھا لیکن اس مطالبہ کو عوام کے سامنے جذباتی اور مذہبی سوال بنا کر پیش کیا گیا تاکہ اس سے عوامی تحریک بن سکے۔"

اس سلسلہ میں اس معترض کو قائداعظمؒ کے تتبع میں بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اسلامی (قرآنی) تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ لہٰذا سیاست، معاشرت اور معاشی اقدار کو اسلام سے کیسے جدا کیا جا سکتا ہے۔ معترض کو یاد ہونا چاہیئے کہ اسلام میں سیاست دین سے جدا نہیں۔

بقول علامہ اقبالؒ:-

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چنانچہ اگر ہم نے مطالبۂ پاکستان مذہبی سوال بنا کر پیش کیا تو سو فیصد صحیح ہے کیونکہ اسلام ہی ایک ایسی قدرِ مشترک اور جذبۂ محرکہ ہے جس سے مسلمان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسا منشائے الٰہی کے مطابق کیا گیا جس نے حکم دیا کہ

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۵/۴۸

"(اگر مسلمان ہو تو) حکومت اس کے مطابق قائم کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی قرآن حکیم"

اور بقول قائداعظمؒ ایسی حکومت کے لئے خطۂ ارض کی ضرورت تھی جس کا ہم نے مطالبہ کیا اور ایسا کرنا ہم پر خدا کی طرف سے BINDING تھا۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

بایں ہمہ

شکایت ہے مجھے یارب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

## غیروں کی شہادت

اس سلسلہ میں ہم اپنے ان مہربانانِ ضمیر و نگاہ سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کو اپنے مسلمان مشاہیر اور داعیانِ پاکستان کی بات پر یقین نہ آئے تو ہم ان کے ہندو بہی خواہوں اور پاکستان کے ازلی دشمنوں کے چند لیڈروں کے بیانات ان کے سامنے دہراتے ہیں کہ شاید ان ہی کی بات ان کے دل میں اتر جائے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

یکم نومبر ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے کہ لدھیانہ میں اکھنڈ بھارت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنما آنجہانی منشی نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:۔

"تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مساکن بنا لیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے

میں ڈھل سکیں اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطۂ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔"

(ٹریبیون ۔ ۲ نومبر ۱۹۴۱ء)

۱۹۴۰ء میں ایک دفعہ پھر یہ تجویز زیر غور آئی کہ کانگرس اور مسلم لیگ مل کر مخلوط حکومتیں قائم کرلیں اس پر کانگرس کے ایک چوٹی کے لیڈر ستیہ مورتی نے کہا:۔

"کانگرس مسلمانوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومتیں کس طرح قائم کرسکتی ہے جس کا نصب العین اسلامی حکومت کا احیاء ہو۔"

۳۔ لالہ لاجپت رائے ایک کٹر ہندو لیڈر اور نظریہ پاکستان کا شدید ترین دشمن تھا اس نے کانگرسی راہنما سی۔ آر۔ داس کو ایک خط لکھا تھا جس کا حوالہ قائداعظمؒ نے مسلم لیگ سیشن ۱۹۴۰ کے خطبۂ صدارت میں دیا تھا۔ اس میں لالہ لاجپت رائے نے اور امور کے علاوہ ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر لکھا تھا کہ

"آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے کلکتہ میں اپنی اس گفتگو کا جو اس باب میں حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر کچلو سے ہوئی تھی، آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ ہندوستان میں حکیم صاحب سے زیادہ سلجھا ہوا کوئی مسلمان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حکیم صاحب یا کوئی دوسرا مسلمان راہ نما قرآن حکیم کے احکام پر خطِ تنسیخ کھینچ سکتا ہے؟ میں تہہ دل سے ہندو مسلمان اتحاد کی ضرورت کا قائل ہوں۔ اس کے لئے میں مسلمان راہ نماؤں پر اعتماد کرنے کو بھی تیار ہوں لیکن قرآن و حدیث کے احکام کو ہم کیا کریں گے۔ مسلمان راہنما ان پر تو خطِ تنسیخ نہیں کھینچ سکتے۔"

تقاریر قائداعظمؒ۔ جلد اول۔ صفحہ [redacted]

بحوالہ طلوع اسلام

۴۔ این۔ سی۔ دت (سابق رکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی) اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"ان حالات میں میرا خیال ہے کہ ہندو مسلم قضیہ کا حل یہی ہوگا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کو دو قومیں سمجھ لیا جائے اور پھر دو قوموں کی حیثیت سے ان کے ساتھ ایک متحدہ قومیت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا جائے۔

(مدینہ یکم فروری ۱۹۴۰ء)

(بحوالہ طلوع اسلام)

**فیصلہ آپ کیجئے** : یہ ہے دو قومی نظریہ کی تعریف ( DEFINITION ) اور مطالبۂ پاکستان کی اساس

کٹر ہندو اور پاکستان کے شدید ترین دشمنوں کی زبانی! کیا معترضین ان کی بات مانتے ہیں یا ہماری یا ہم دونوں کی کہ دو قومی نظریہ جسے قائدِ اعظم شد و مد سے پیش کرتے چلے آرہے تھے، خالصۃً قرآنی تعلیمات پہ مبنی تھا؟ اور یہ بھی کہ دو متضاد نظریہ حیات رکھنے والے افراد ایک قوم نہیں ہو سکتے۔ قومیت کا معیار، تصورِ حیات یعنی IDEOLOGY ہے اور یہی نچوڑ ہے تحریکِ پاکستان کا۔

نہ الا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اور یاد رکھئے اس نظریہ حیات سے انحراف کے فطری نتیجہ سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا کہ۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں قوموں کے گناہوں کو معاف

---

## بقیہ: "اخوت ـ انسانیت ساز قدر" (ص ۳۸ سے مسلسل)

بھی اخوت کی قرآنی و بنیادی قدر کو اپنانے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اس نہ مٹنے والے رشتے کا آغاز اپنے ہاں سے کر کے ہی ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ کا رُخ قرآنی اخوت کی طرف موڑ سکیں۔ یاد رکھیے کوئی بھی عملِ خیر کسی انتظار کا حامل یا التوا کا متحمل نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ "ہو جائے گا" یا "کر لیں گے" کا تصور رکھتا ہے۔ وہ تو 'ہوتا ہے' اور 'کر لیا جاتا ہے'۔ بہت بہت شکریہ

ثریا عندلیب

---


## خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

۱۔ بسا اوقات ادارہ ہٰذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔

۲۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

# اخوت، انسانیت ساز قدر

مفکرِ قرآن جناب پرویز صاحب مرحوم و مغفور یعنی اپنے محترم باباجی سے مہینوں، سالوں درس لیتے ہوئے ہم سامعینِ درس کو کبھی یہ خیال نہیں آتا تھا، نہ ہم یہ سوچنا چاہتے تھے کہ ہمیں ایک دن اُس شفیق اُستاد سے محروم ہونا پڑے گا جس کا لمحہ لمحہ قرآنِ کریم پر تفکر و تدبر کرتے گزرا۔ وہ مردِ راہ داں جو عرصہ پچاس سال سے قرآنی حقائق و انشگاف کرتا رہا۔ پھر قانونِ قدرت کے مطابق وہ ساعت آگئی کہ باباجی نے سفرِ آخرت اختیار کیا اور ہم سے جُدا ہو گئے۔ وقت نے تو آگے بڑھنا ہی تھا۔ آج ہم اُس عزیز ہستی کی یاد میں پھر اکٹھے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ باباجی کو رخصت ہوئے دو سال بھی گزر گئے۔ ہاں میرے قرآنی بہن بھائیو! ہم وقت کی رفتار کو روک سکتے ہیں نہ ہی جانے والوں کو واپس لا سکتے ہیں۔ لیکن ہم اِس گزرتے ہوئے وقت کو روشن ضرور رکھ سکتے ہیں اس شمعِ قرآنی سے جسے باباجی ہمارے ہاتھوں میں تھما گئے ہیں۔ آج اسی حوالے سے ہمیں خود اپنے آپ سے اس سوال کا جواب لینا ہے کہ ہم نے انفرادی اور اجتماعی طور پر کیا پچھلے دو سالوں میں اپنے وقت کو روشن رکھا یا روشن سے روشن تر کیا؟ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہماری بہت بڑی خوش بختی تھی جو ہمیں باباجی کی صورت میں ایسا منفرد مُعلّمِ قرآن نصیب رہا۔ اُس کی بصیرتِ فرقانی کی بدولت ہم کسی اعتبار سے بھی قرآنِ حکیم کی مستقل روشنی سے محروم نہیں رہے۔ باباجی نے اس ضابطۂ حیاتِ انسانی کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی وضاحت بار بار اپنے سینکڑوں درسوں میں ہم سب کے سامنے کی ہے۔ ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے ہاں اگر ہمیں یہاں ذرا رُک کر خود سے یہ پوچھنا ہے کہ جناب پرویز کی شبانہ روز فکر و کاوش پر مشتمل ان دروس کو کیا واقعی ہم نے دل کے کانوں سے سنا اور اپنے ذہنوں میں جاگزیں کیا۔ یا ہم سالہا سال محض وقت گزاری اور ذہنی آسودگی کی خاطر یہاں آتے رہے! یاد ہے نا! باباجی ہمیں اکثر یہ تنبیہہ کیا کرتے تھے کہ دیکھو اعزیزانِ من! آپ یہاں قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ اسے پوری توجہ سے سننا ہوگا اور خود غور کرنا ہوگا۔ یہ کوئی محض ذہنی سرور تو نہیں کہ آئیے، قرآن کی عظیم باتیں سنتے ہوئے جھوم اُٹھے یا زبان سے سبحان اللہ پکار اٹھے۔ پھر درس ختم ہوا اور آپ کی چھٹی ہو گئی۔ باباجی نے ہمیشہ کہا کہ آپ کو چاہیئے کہ ان حقائقِ قرآنی کے تعلق سے آیات کے حوالے ساتھ کے ساتھ نوٹ کرتے جائیں ان نکات کو یونہی سر سے نہ گزار دیں اُنہیں لکھتے جائیں۔ تاکہ گھروں میں جاکر ان پر از خود غور و فکر کر سکیں۔

کو یہاں آکر درس سُنتے ہیں اور سنتے رہیں گے۔ لیکن بظاہر اتنے قریب آکر ہم حقیقتاً ایک دوسرے کے قریب ہیں بھی؟ ہمارا ایک دوسرے سے کوئی واسطہ تعلق ہے بھی؟ آیئے! ذرا دل بڑا کر کے اپنی طرف نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ہمارا عام معمول کیا ہے۔ وہ یہی ہے نا کہ جب ہم یہاں آتے ہیں تو ہمارا آنا صرف درس سن لینے تک محدود رہتا ہے۔ اُس سے جو ہدایات و رہنمائی ہمیں حاصل ہوتی ہے، اس کے مطابق چلنا شاید ہمارے پروگرام کا حصّہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ہوتا تو اُس کی ابتدا اِسی درس گاہ میں ایک دوسرے سے متعارف ہو کر سب کے درمیان اخوّت کا رشتہ قائم ہونے سے ہو جاتی۔ لیکن کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ہمیں اس بنیادی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ ہم سب نے ایک دوسرے کا اَخ ہونے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ بس ہم میں سے چند احباب ایسے ہیں جو ایک دوسرے کو جانتے اور ایک دوسرے کے قریب نظر آتے ہیں ورنہ زیادہ تعداد ہماری ایسی ہے جسے ایک دوسرے کا نام بھی معلوم نہیں، شناسائی تو دور کی بات ہے۔ اس طرح محترم بہن بھائیو! ہم آپس میں اخوّت یا قربت تو پیدا نہیں کر سکتے، اگر ہم اخوّت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اجنبیت و غیریت کا ایسا تاثر دے کر چلتے بنیں کہ جیسے ہم نے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہ ہو تو آپ ہی بتایئے یہ صراطِ مستقیم پر چلنے کا سبق لے کر عملاً گمراہی اختیار کرنا نہ ہوگا؟ کیا یہ قرآنِ حکیم کے احکام سمجھ لینے کے بعد ان کی خلاف ورزی نہ ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ اپنے اس غلط طرزِ عمل کو معمولی گردان کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اِس انسانیت ساز قدر کی اہمیت کے پیشِ نظر سرِدست ہمارا یہ اولین فرض بنتا ہے کہ ہم نے دانستہ یا نادانستہ بیگانگی و مغائرت کا جو خول اپنے اوپر چڑھا رکھا ہے اسے فی الفور اُتار ڈالیں۔ تاکہ اس کے بعد کھلے ذہنوں کے ساتھ اخوّت کا دامن پکڑا جا سکے اور ہم تمام سامعینِ درس کے درمیان رابطہ کا عمل خلوصِ دل اور صدقِ نیّت سے شروع ہو جائے۔ جو عظیم قرآنی مشن باباجی ہمارے سپرد کر گئے ہیں وہ اپنے جاری و ساری رہنے کے لئے عملِ استمرار چاہتا ہے۔ استقلال چاہتا ہے۔ ثبات چاہتا ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ ہم یک رنگی و ہم آہنگی کے ساتھ مل جل کر ایک دوسرے کو بہن بھائی سمجھتے ہوئے شانہ بشانہ قدم اٹھائیں اور ہمارا یہ ہمراہی کا عمل مسلسل اور مستقل ہونا چاہیئے، زندگی کی رہتی سانسوں تک۔ ہم فرداً فرداً اپنے طور پر کوشش کرنے کے مکلف ضرور ہیں لیکن اسے نہ بھولیئے کہ ہر انفرادی کوشش، اجتماعیت میں ڈھل کر ہی اپنا مثبت و مکمل نتیجہ نکالتی ہے۔ اور ساتھیوں کے بغیر کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا کرتا۔

میں نے آپ سب کے سامنے اپنے احساساتِ قلبی کا اظہار اس توقع پر کیا ہے کہ آپ میری معروضات کو قابلِ توجہ سمجھ کر ان پر خود غور و فکر کریں گے اور آپ کو یہاں درس میں آنے والوں کے حوالے سے

اس طرح آپ کے لئے قرآن کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ کیا ہم نے ایسا کیا؟ آج ہمیں اسی سوال کا جواب دینا ہے۔ جیسا کہ آپ کو یاد ہو گا میں نے پچھلے برس باباجی کی پہلی برسی پر عرض کیا تھا کہ اُستادِ مکرم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہ دن، اپنا محاسبہ کرنے کا بھی دن ہے۔ چنانچہ آج بھی ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے اُن کے بعد قرآن کے پیغام کو عام کرنے اور خود عمل کرنے میں کہاں تک اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں پوری دیانت کے ساتھ کئے جانے والے اس احتساب کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے معمولاتِ روز و شب کا جائزہ لیں یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا ان سب پر قرآنی فکر کی کوئی چھاپ ہے۔ اور کیا ہمارے قدم اُسی متعین راستے پر اٹھ رہے ہیں جو خالص قرآن کا واحد راستہ ہے میں سمجھتی ہوں کہ اس موقع پر مجھے قرآنِ عزیز کی عظیم و اساسی قدر "اخوت" کے حوالے سے بات کرنی چاہیئے کہ اس پہلو سے ہم کیسے رہے اور اس گوشۂ زندگی کو ہم نے کتنا تابناک کیا! قرآن کا یہ اعلان ہمارے سامنے ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام مومن بندوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا ہے۔ اخوت کا مادہ اَخٌ ہے جس کے معنی ایک حلقے میں بندھے ہوئے اور ہم مقصد ہونا ہیں۔ یہ اخوت دنیا کے تمام مومنوں یا مسلمانوں کا لازمہ قرار دی گئی ہے اسی سے وہ عالمگیر اجتماعیت وجود میں آتی ہے جو مقصود و مطلوبِ اسلام ہے۔ اور جو کل نوعِ انسانی کو ایک اُمّت میں تبدیل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اِس سلسلے میں ہم سامعینِ درس پر جو اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ہماری گہری توجہ کی طالب ہے۔ یہ بات سب پر واضح ہے کہ درس لینے کے دوران ہم سب ایک دوسرے کے ساتھی ہوتے ہیں اور ایک طویل عرصے سے ہمیں یہ ساتھ میسّر ہے۔ ہمیں مہینے میں چار دفعہ مل بیٹھ کر قرآن حکیم کے اسباق لینے کے مواقع حاصل رہے ہیں۔ ہم نے ایک دوسرے کی معیّت میں کتابِ مبین کو سمجھا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کو سنوارنے کے لیے، نظامِ خداوندی کے قیام میں اپنا فرض ادا کرنے کے لئے اُمّتِ واحدہ کی صورت میں زندہ رہنے کے لیے آگے بڑھنے کے لئے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان اخوت کا رشتہ مضبوط و مستحکم نہ ہوا ہو۔ ہم ایک دوسرے کی جان پہچان نہ رکھتے ہوں۔ ہمارا آپس میں کوئی رابطہ نہ ہو۔ ہم ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک نہ ہوتے ہوں یا دوسرے کی بیماری پریشانی کی ہمیں خبر نہ ہوتی ہو۔ ایک کو دوسرے سے تعاون نہ ملتا ہو۔ ظاہر ہے بہن بھائی ہونے کے ناطے ہماری یہ منفی کیفیات نہیں ہو سکتیں، نہ ہونی چاہئیں جن کا میں نے ذکر کیا۔ تو یہاں میں یہ گزارش کروں گی کہ اِدھر اُدھر کی سوچ کی بجائے کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ پہلے اخوت کے تقاضوں کے تحت اور اس کے قرآنی معیار کے مطابق اپنے آپس کے رویے کو پرکھ لیا جائے اور اپنے اس تعلق کا تجزیہ کر لیا جائے جس کی نشان دہی قرآن نے ہمارے لئے کی ہے۔ خدا کے فضل سے ہم باباجی کے دئے ہوئے درسوں کو سننے اور سنتے رہنے سے اب بھی محروم نہیں۔ ہم حسبِ سابق ہر جمعے

(باقی صـ۳۵ پر)

بیادِ علامہ غلام احمد پرویزؒ

# کہاں گئے؟

یارب وہ زندگی کے سہارے کہاں گئے
ساحل کو کیا ہوا وہ کنارے کہاں گئے

وہ نکتہ چیں وہ فہم و تدبّر کا رہنما
وہ اس کے عالمانہ اشارے کہاں گئے

وہ آفتابِ علم وہ روشن چراغِ راہ
وہ ضوفشاں ادب کے ستارے کہاں گئے

وہ طالبِ کتاب، مفکّر نگہ نواز
وہ درس۔ درس گاہ کے نظارے کہاں گئے

ہر لمحہ جستجوئے تدبّر جواں خیال
ہر لمحہ سوزِ غم کے شرارے کہاں گئے

خاکِ خموش تو ہی ذرا اس کا بھید کھول
جیتے تھے جس کے دم سے وہ پیارے کہاں گئے

اہلِ نظر۔ وہ اہلِ قلم۔ تاجدارِ فکر
منزل کے سنگِ میل، اشارے کہاں گئے

گھر ہے اُجاڑ، بام و در و دیوار ہیں اُداس
پوچھے ہیں بچے بابا ہمارے کہاں گئے

برسی منا رہے ہیں منانے تھے جو کہ جشن
وہ جشنِ رنگا رنگ کے دھارے کہاں گئے

عارفؔ لے کام ضبط سے اشکِ رواں کو تھام
ہر دل کی اک صدائے اَلم ہے تیرا کلام

عارفؔ بٹالوی

# طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۸۷ء

بروز جمعرات و جمعۃ المبارک بتاریخ ۱۶ اور ۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء

بتائید ایزدی منعقد ہو رہی ہے۔

جس کے کھلے اور خصوصی اجلاسوں کا مشروط پروگرام حسب ذیل ہے!

## کھلے اجلاسوں کا پروگرام : شرکت بذریعہ دعوت نامہ

پہلا اجلاس : بروز جمعۃ المبارک، ۱۷ اپریل بوقت ۹ بجے صبح

"آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا ؛ منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں"

اور

تحریکِ طلوع اسلام کے تربیت یافتگان کے مندرجہ ذیل موضوعات پر خطابات

(۱) قرآنی قوانین و اقدار اور ہماری زندگی۔

(۲) لاقانونیت اور قرآنِ حکیم۔

(۳) عورت بحیثیت انسان۔ (۴) نظامِ حکومت۔

(۵) فکرِ پرویزؒ ایک زندہ حقیقت۔

دوسرا اجلاس : بروز جمعۃ المبارک ۱۷ اپریل ۸۷ء بوقت ۲½ بجے بعد دوپہر

### بزمِ مذاکرہ

شرکاء :- طلباء، طالبات اور اساتذہ

موضوع :- ؎ گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ہماری تعلیم بے سمت ہے، ہمارے نظامِ تعلیم، معیارِ تعلیم سے ہر کوئی نالاں ہے۔ استاد بھی شاگرد بھی۔ اس کی کیا وجوہ ہیں؟

## مندوبین کے لئے خصوصی اجلاسوں کا پروگرام :

پہلا اجلاس : بروز جمعرات - ۱۶ اپریل ۱۹۸۷ء - ۲ بجے بعد دوپہر
اِستقبالیہ و رپورٹ ہائے ادارہ طلوعِ اسلام اور طلوعِ اسلام ٹرسٹ

دوسرا اجلاس : بروز جمعرات - ۱۶ اپریل ۱۹۸۷ء - ۵½ بجے شام - مستقبل کے پروگرام۔

تیسرا اجلاس : بروز جمعرات ۱۶ اپریل ۱۹۸۷ء - رات کے کھانے کے بعد۔
بزمہائے طلوعِ اسلام اور مندوبین کا تعارف اور کارکردگی کی رپورٹیں۔

چوتھا اجلاس : بروز جمعۃ المبارک، ۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء - بعد نماز مغرب - قرار دادیں اور الوداعی تقریب

**محمد اسلام**
صدر طلوعِ اسلام کنونشن کمیٹی

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

# قرآنی تصورات و الفاظ و اصطلاحات

علامہ اقبال نے کہا تھا، ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

الفاظ بھی وہی ہوں اور معانی بھی تو فرق بات کہنے والے، الفاظ ادا کرنے والے کے جذبوں کا ہوتا ہے، یہی جذبے الفاظ کو معانی دیتے اور بے جان حروف کو پیکر عطا کرتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر زبان کی اصطلاحات کے پیچھے اس زبان کے بولنے والوں کی روایات اور تصورات اُن کی تاریخ کارفرما ہوتی ہے، ——— اور الفاظ کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ آپ کسی ایسی چیز کا تصور تک نہیں کر سکتے جسے آپ پہلے کوئی نام نہ دے لیں، اللہ تعالےٰ نے قصۂ آدم میں آدم کی برتری اس کی علم الاسماء سے واقفیت کی بنا پر ہی بتائی ہے۔

مگر اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا ہو گی کہ الفاظ تو وہی رہنے دئے جائیں مگر ان کے معنی بدل دئے جائیں۔ پہلی الہامی کتابوں کے ساتھ تو یہ ہوتا رہا کہ وقت گزرنے کے ساتھ مخصوص مفادات کے حامل طبقے، اس پیغام جو وقت کا انقلابی پیغام ہوتا تھا، کے مخالف اور درپردہ مخالف اسمیں تحریف کر دیتے، اپنی مطلب براری کے لئے اور اپنے خداوندانِ نعمت کا حق نمک ادا کرنے کے لئے جو جی میں آتا کہتے اور اپنے کہے کو خدا کا کہا، شریعتِ خداوندی کہہ کر پیش کر دیتے۔ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔

یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا تاآنکہ اللہ کی طرف سے ایک اور نبی آکر دینِ حق کو از سرِ نو اپنی اصلی شکل میں دوبارہ پیش کرتا۔

مگر قرآن حکیم تو آخری کتاب ہے، اسے تو ساری انسانیت کے لئے ہمیشہ کے لئے رہنمائی کا کام دینا ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اپنے اوپر لیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵/۹) میں جس تکرار اور جس زور سے اسے دہرایا گیا ہے اس کی اہمیت کو ظاہر کر رہی ہے۔

یہ بات مخالفین کو ہمیشہ کے لئے بے بس کر دینے کو کافی تھی مگر کشمکش حق و باطل کو تو ازل سے ابد تک کارزارِ حیات کو گرم ماننے کے لیے رہنا ہے، 'چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی' کی مخالفت یہی معرکۂ حق و باطل کا نام ہے۔

چنانچہ اس مخالفت نے ایک نیا رُخ اختیار کیا، جب اسلام کے پیغام سے سرشار عرب کے بادیہ نشینوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو پاؤں تلے روند دیا تو قیصر کی سلطنت کے تو کچھ ہی حصے مسلمانوں کی عملداری میں آئے، قیصر کے محکوم مستبد حاکموں کے جنگل سے آزاد ہو کر اسلام کی چھتر چھاؤں تلے آکر ان کے حسنِ سلوک اور حسنِ انتظام سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی خوش بختی پہ نازاں ہوئے، اکثریت اپنے پرانے مذہب پر کاربند رہی۔ دین کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں ہوا، لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ مگر کسریٰ کی تو ساری کی ساری مملکت ان کے زیرِ نگین آئی، کسریٰ کی قوم کو اپنی دولت و ثروت، اپنے تہذیب و تمدن اپنے علم و فلسفہ پر، اپنے سامان حرب و ضرب پر بڑا گھمنڈ تھا، اسلام سے پہلے وہ ان صحرا نوردا ونٹنیوں کے دودھ اور کھجوروں پر گزر بسر کرنیوالی قوم سے لڑنا بھی باعثِ ننگ سمجھتے تھے اور وہ اب انہی کے ہاتھوں بے بس ہو گئے تھے۔ ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا ان کی محکومیت یا اسلام قبول کر کے برابر کی سطح پر آجانا۔

انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا، یہ یک بیک تبدیلی ساحرینِ فرعون والی تبدیلی نہ تھی جیسا کہ بعد کے حالات نے ثابت کیا۔

ان کے ایمان لانے کے اس عمل کو رد بھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا مگر وہ اسلام جو عرب کے بدوؤں سے یہ کہتا تھا،

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا، قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا، فَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۴۹/۱۴)

یک بیک کیسے ان عجمیوں کو ایمان کا اونچا مقام دے سکتا تھا مگر معاشرتی سطح پر ان کو اسلام کے پیغامِ مساوات کے پیشِ نظر، برابر کا درجہ دینا پڑا۔

ہو سکتا تھا کہ بعد کو کتاب کی تعلیم اور اس تعلیم کی حکمت ان کے قلوب میں وہ تبدیلی پیدا کر دیتی جسے حقیقی انقلاب کہتے ہیں، ایسا ہی انقلاب جس نے عرب کے لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی، مگر اس کے لئے جس مسلسل جدوجہد اور حکومتی ثبات (STABILITY) کی ضرورت تھی وہ ایران کی فتح کے بعد مسلمانوں کو اپنے مرکز میں میسر نہ آسکی، اسلام کا وہ بطلِ جلیل منظر سے ہٹا دیا گیا جس کی آرزو خود قلبِ پیغمبر سے دُعا بن کر نکلی تھی۔

اور اس کے بعد بجائے اس کے کہ عرب اور اسلام کے تصورات ان کے پُرانے رسوم و عقائد پہ اثر

اندازہوتے، عجم کے عقائد اور تصورات اسلامی عقائد اور سوچ پہ اثر انداز ہونا شروع ہو گئے۔ یہ یوں بھی ممکن ہوا کہ اس طرح ایمان لانے والوں میں عام لوگ ہی نہیں، شہنشاہ کے عمائدین، خواص، اساورہ جو اس وقت کے دانش وروں میں بھی مقام رکھتے تھے، شامل تھے۔

عرب سیدھے سادے صحرا کے رہنے والے لوگ تھے، علم و فلسفہ سے بیگانہ، اسلام کا پیغام بھی سیدھا سادا عملی پیغام تھا سیدھا دل میں اتر جانے والا۔

اسلام تنہا ایسا مذہب ہے جس میں کوئی MYTH نہیں، یہ واضح دین ہے، گپت ودیا نہیں۔

ان دانشوروں نے ان سیدھے سادے لوگوں کو مابعد الطبیعاتی قسم کے مسائل میں الجھا دیا، وہ جو اپنے ایمان کی بدولت خود تقدیر یزداں تھے انہیں جبر و قدر کے چکر میں الجھا کر بے بس کر دیا، حالت یہ ہو گئی ہے

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

قرآن کے الفاظ بدلنے پہ تو وہ قادر نہ تھے لیکن ان الفاظ کو نئے معانی دینے کا ڈھنگ انہوں نے خوب اختیار کیا، ان کے خیالات کے زیر اثر صلوٰۃ صرف نماز ہو کر رہ گئی، زکوٰۃ جمع شدہ مال کے ایک مقرر حصے کی ادائیگی کا نام ہو گیا، حج طواف ہو گیا، روزہ محض کھانے پینے سے احتراز، تسبیح دھاگے میں پڑے دانوں پہ کچھ الفاظ دہرانے کا نام، انہی کے زیر اثر رکوع و سجود کو بھی نئے معنی ملے، یہی حال قرآنی اصطلاحات تلاوت، قیامت، آخرت، مغفرت، گناہ اور ثواب کا ہوا۔

اور ان معانی کے بدلنے سے سارا قافلہ اپنا راستہ بھول بیٹھا، زندگی کا ڈھنگ ہی نیا ہو گیا، اور راستہ غلط ہو تو منزل سراب ہو جاتی ہے۔

لفظ وہی رہے، معنی بدل گئے، روح غائب ہو گئی جسم رہ گیا، ع

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی،

صرف اذاں ہی نہیں دین کے وہ تمام ارکان جنہیں اسلامی معاشرے کے لئے مضبوط بنیاد بننا تھا جس پہ عمارت استوار ہونا تھی مقصود بالذات ہو کر رہ گئے اور وہ بھی محض رسوم۔

اپنی شکست کا بدلہ انہوں نے بڑے ہی (SUBTLE) انداز میں لیا،

انہیں معلوم تھا انہیں کیا کرنا تھا، صلوٰۃ کا تذکرہ قرآن پاک میں اتنی مرتبہ آیا تھا اسے اتنی اہمیت دی گئی تھی کہ کہا گیا روزِ قیامت سب سے پہلے اسی کے بارے میں پوچھا جائے گا ——— انہوں نے صلوٰۃ کا ترجمہ ——— نماز کیا، اسے اپنی عبادت کا نام دیا اور یوں اسے اس کی روح سے دور کر دیا، انہوں نے یہی

سمجھایا اور وقت گزرنے کے ساتھ لوگ یہی سمجھنے لگے کہ جو نماز میں جھک گیا، جس نے ماتھا زمین پہ رکھ دیا، اس نے صلوٰۃ کے تقاضے پورے کر دئے۔ رکوع و سجود تو یہ ہوئے اور جس نے نماز کے بعد تسبیح پھیری اس کا درجہ اور بھی بلند ہو گیا ـــــ صلوٰۃ قائم کرنے کا مسئلہ پیش ہوا تو اسے نماز باجماعت کہہ دیا اور مطمئن ہو گئے حالانکہ قرآن پاک میں ہے (۲۴/۴۱) کیا تو نے اس بات پہ غور نہیں کیا کہ اللہ وہ ہے کہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، پر پھیلائے ہوئے پرند بھی ـــــ ہر ایک اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے۔

یہ صلوٰۃ اور تسبیح وہ فرائض منصبی ہیں جو اشیائے کائنات چرند، پرند اپنی جبلت کی رو سے جانتے ہیں، اس کی رو سے وہ جانتے ہیں کہ انہیں کس راہ پہ چلنا اور کس منزل تک پہنچنا ہے، ان کی جدوجہد کے دوائر کون سے ہیں۔ انسانوں کی کوئی جبلت نہیں، جہاں تک طبعی ضرورتوں کا تعلق ہے انسان ان چیزوں کا علم عقل و فکر، تجربہ و مشاہدہ سے کرتا ہے لیکن جہاں تک اس کے انسانیت کے تقاضوں، اس کی ذات کی نشوونما کا تعلق ہے، جہاں تک ان فرائض منصبی کا تعلق ہے جو اس کی صلوٰۃ و تسبیح ہے اس کے لئے وحی کا جاننا اور ماننا ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے وحی کے دئے ہوئے پروگرام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

قوانینِ خداوندی کا اتباع اقامتِ صلوٰۃ ہے ـــــ صلّٰی کے مقابلے میں لفظ تولّٰی اس کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے، کسی چیز کی ضد اس کے معنی اجاگر کرتی ہے، تولّٰی کے معنی صحیح راستے سے گریز، پھر جانا، منہ موڑ لینا ہے ـــــ اس طرح صلّٰی کے معنی قوانین خداوندی کے مطابق صحیح راستے پر چلتے جانا ہے۔

اگر صلوٰۃ کے تقاضے نماز ادا کرنے سے پورے ہو جاتے اور دوسرے فرائض منصبی سے اس کا تعلق نہ ہوتا تو قوم شعیب، حضرت شعیب علیہ السلام سے کیوں کہتی ـــــ "کیا تیری صلوٰۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کئے چلے آ رہے ہیں یا ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کا دائرہ تو مال و دولت کے خرچ تک ہے اور ہم نے مومن کو یہ باور کرا دیا کہ عبادت اور معاملات زندگی کے دو مختلف شعبے ہیں اور نماز عبادت ہے۔ عبادات کا ثواب اگلے جہاں میں ملتا ہے۔

اور یوں مسلمان چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات، عالم کردار سے بیگانہ رہ کر عبادت گزارتے رہے، وہ نکبت و ادبار، ذلت و پستی کے گڑھوں میں گرتے چلے گئے۔ خدا نے تو انہیں انتم الاعلون کی نوید دی تھی، وہ دل گرفتہ ہوئے تو ان کے احبار و رہبان نے انہیں تسلی دی، پھر الفاظ کے چکر میں الجھایا

کہ یہ ذلت وپستی دراصل ذلت وپستی نہیں، خدا کی طرف سے نیک بندوں کی آزمائش ہے، اس پہ صابر وشاکر رہوگے (اس حالت سے نکلنے کی کوشش نہیں کروگے) تو اگلے جہان میں بلند مرتبہ پاؤگے تمہاری نمازوں میں کوئی کمی نہ رہنے پائے، زیادہ خشوع وخضوع سے نماز گزارو، ان کا ثواب تمہیں آخرت میں ضرور ملے گا۔

—— مال ودولت، جاہ وحشمت، یہ دنیاوی مال ومنال مومن کی شان نہیں اور پھر یہ تو خدا کی رضا ہے، جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے، یہ خدا کی رضا ہے، مومن راضی برضا رہتا ہے، خدا کی حکمت کو مت للکارو اور اس طرح مسلسل حرکت وحرارت، تجسس وتحقیق کے علمبردار دین کی پیرو یہ امت جمود اور ٹھہراؤ کا شکار ہوگئی۔

اسلام کے معاشی ومعاشرتی نظام کے دیگر اساسی پتھر (کارنرسٹون) سود سے مناہی اور ایتائے زکوٰۃ تھے —— سود کو تو لفظی بحثوں میں الجھا دیا اور ایتائے زکوٰۃ کو اقامتِ صلوٰۃ کی طرح اس کی روح سے دور کردیا۔ قرآن پاک نے تو کہا تھا اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ..... ۲۲/۴۱ یعنی جب اللہ تعالےٰ انہیں تمکن فی الارض، حکومت دے گا تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے —— یعنی اس مملکت کے تمام افراد کو سامانِ نشوونما بہم پہنچائیں گے۔ ان کی صلاحیتوں کے بڑھنے پھولنے کا انتظام کریں گے —— یہ تھا فریضۂ زکوٰۃ اس مملکت کا۔

اگر یہ محض نماز پڑھنا اور مروجہ زکوٰۃ دینا ہی تھا تو استخلاف اور تمکن فی الارض کی شرط کیوں، اس نماز پہ، اس زکوٰۃ پہ تو کسی بھی حکومت میں عمل ہوسکتا ہے، آج کے بھارت، چین اور شاید روس واسرائیل کے مسلمان بھی کاربند رہ سکتے ہیں کم ازکم نماز پہ کسی جگہ پابندی نہیں۔

حج جسے عالمِ اسلام کی وہ بین الاقوامی کانفرنس ہونا تھا جہاں انہوں نے سال بہ سال انسانیت کی بھلائی کے پروگرام تشکیل دینے اور اُن کا جائزہ لینا تھا، دنیا کو دعوت دینی تھی یہ دیکھنے کی کہ آؤ دیکھو ہم تمہاری بھلائی کے لیے کیا کر رہے ہیں، محض ایک ہجومِ مومنین ہوکر رہ گیا،

نام سب باقی ہیں، مگر محض نام،

نماز روزہ وقربانی وحج، یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں،

یہ تو کون ہے جو باقی نہیں ہے —— یہ بات غور طلب ہے، ——

—— اس کے لئے ہمیں ایک بار پھر نماز روزہ، قربانی وحج کے صحیح قرآنی مفہوم تک پہنچنا ہوگا، اسلام کے چہرے پہ جمے عجمی اثرات کے زنگ کو کھرچنا ہوگا تو پھر اس مسلمان جو اقبال کے لفظوں میں ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

کی بجائے وہ آدمِ خاکی نظر آئے گا جس کے عالمِ وجود میں آنے سے کائنات لرز اُٹھی تھی ؎

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور — خود گرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر — تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

یہ وُہ "تو" ہے جو باقی نہیں رہا، یہ وہی آدمِ خاکی ہے جس کے عروج سے انجم سہمے رہتے ہیں۔

جب ہم ان ارکانِ دین کو رسم سمجھ کر نہیں، ان کے صحیح مفہوم کے مطابق استوار کر سکیں گے تو یہ ستون بھی مقصود بالذات نہیں ہوں گے بلکہ ان پہ وہ عظیم نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہوگا جس سے یہ زمین پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے گی، وہ نظام قائم ہوگا جس میں نہ کوئی بھوکا ننگا ہوگا نہ بے گھر و بے ٹھکانہ، نہ محتاج و بے سہارا، ؎

کس در اینجا سائل و محروم نیست — عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

ہر شخص کی عزتِ نفس محفوظ ہوگی، مساواتِ انسانیہ اس شان سے قائم ہوگی،

نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں

مگر اس کے لیے ہمیں صدیوں کا جمود توڑنا ہوگا، دورِ ملوکیت میں اسلام کے تابناک نظام کے چہرے کو مسخ کر دینے والے زنگ کو کھرچنا ہوگا، ہمیں قرآن پاک کے ایک ایک لفظ پہ غور کرنا ہوگا۔ ایک ایک اصطلاح کو سمجھنا ہوگا، اس طرح ہم اس کی تلاوت اس طرح کر سکیں گے جو تلاوت کا حق ہے، تلاوت کا تو مطلب ہی پیچھے پیچھے چلنا ہے۔

اس طرح اس کتابِ عظیم پہ غور کریں گے جو بقول اقبال ؎

کتابے نیست چیزے دیگر است

تو ہمیں احساس ہوگا کہ ہم غفلتوں کی کن بھول بھلیوں میں کھوئے رہے، یہ کتابِ عظیم تو ہمیں صراطِ مستقیم دکھاتی ہے، بلندیوں کی طرف لے جانے والا سیدھا راستہ۔

یہ جس طرف میں نے آپ کو توجہ دلائی ہے ان چند الفاظ اور اصطلاحات پہ روشنی ڈال کر یہ ان سینکڑوں الفاظ میں سے چند ہیں جو ہماری غفلت یا اغیار کی ہشیاری سے اپنا اصل روپ کھو چکے ہیں۔

اور یہ روشنی میں نے کب ڈالی ہے، یہ تو منعکس روشنی ہے جو پرویز صاحبؒ کے درس اور کتابوں سے ہو کر آئی ہے، یہ تو محض دعوت ہے آپ کو کہ آپ ان کی تصنیفات پہ غور کریں، میں تو جب

(باقی صـ۵۸ پـر)

# حقائق و عبر

## ۱۔ مولوی اور دانشور

مولوی اور دانشور کے درمیان جو فرق ہے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہفت روزہ چٹان لاہور اپنی پندرہ فروری ۸۷ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"مولوی، ملا، عالم بڑے مقدس الفاظ تھے، اب آوے کا آوہ ہی بگڑ گیا ہے اور ہر لفظ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ مثلاً قرآن عزیز نے "دانشور" اس کو کہا جو تخلیق کائنات میں غور و فکر سے کام لیتا، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتا ہے۔ اور جس کی زبان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد و دُعا رہتی ہے۔ لیکن اب "دانشور" وہ ہے جسے سرکار دربار میں قرب و اختصاص حاصل ہو، ہر نوع کے مشورے اس سے لیے جائیں، بغیر کسی استحقاق اسے مختلف ملازمتیں ملیں اور کئی طرح سے اسے نوازا جائے، ان نوازشات کے نتیجہ میں وہ ہر وہ بات کہے جس کا علم و دانش سے کوئی تعلق نہ ہو اور جو "یس سر" کے اصول سے شناسا ہو۔ اسی طرح مولوی، ملا، عالم کے الفاظ تھے۔ ماضی قریب کی ہی تاریخ میں پاکستان و ہندستان کے نامور اہل علم کے تذکرے اور سوانح دیکھیں تو آپ کو یہی نظر آئے گا۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود حسن دیوبندی، مولوی نذیر احمد دہلوی وغیرہ مُلّا کے لفظ کو دیکھیں تو صاحب درس نظامی، مُلّا نظام الدین، مشہور سیالکوٹی مصنف و عالم ملا عبدالحکیم، غازی اورنگزیب کے استاد ملا جیون وغیرہ جیسے آسمان علم کے شمس و قمر کی شناخت ملا کے لفظ سے ہی ہوتی ہے۔ اب ان لفظوں کو ہلکا سمجھ لیا گیا اور وہ لوگ جنہیں مولوی ملّا کہا جاتا ہے۔ انہیں معاشرہ کے پست افراد سمجھ لیا گیا۔ اس صورت حال کے ردِعمل میں اس طبقہ نے بھی اپنے یہاں ان الفاظ کو ناپسندیدگی سے دیکھنا شروع کر دیا اور اب غزالی زماں، رازی دوراں، علامہ اور نامعلوم کن کن لفظوں کی مٹی پلید ہونے لگی ہے میرے بزرگ پروفیسر یوسف سلیم چشتی فرماتے کہ ایک زمانہ میں ہندوستان بھر میں دو شخص ایسے تھے جنہیں علامہ کہا جاتا ایک سرے سے دوسرے سرے تک انہی دو تک معاملہ رہتا لیکن اب اینٹ

اٹھاؤ تو علامہ ہے اور مجھے حکیم شاعر اکبر الہ آبادی یاد آ گئے انہوں نے فرمایا ؎

مشرقی و عربی علم حاصل کر مگر
بن کے علامہ وبالِ جہل و نادانی نہ بن"

---

## ۲۔ متحدہ شریعت محاذ

فرقہ اہل حدیث کے ایک لیڈر جناب احسان الٰہی ظہیر صاحب نے ملتان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ متحدہ شریعت محاذ اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ جس کی تفصیلات روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی ۲ مارچ ۱۹۸۷ کی اشاعت میں یوں شائع کی ہیں :۔

"ملتان یکم مارچ (نمائندہ خصوصی) جمیعت اہل حدیث کے ناظم علامہ احسان الٰہی ظہیر نے کہا کہ وہ عنقریب لاہور میں شریعت بل کے بارے میں بہت بڑا انکشاف کریں گے جس سے کئی لوگوں کے چہروں سے نقاب ایسے الٹ جائے گا کہ وہ عرصہ تک دوبارہ نقاب نہیں اوڑھ سکیں گے وہ آج سرپہو جمیعت اہل حدیث اور اہل حدیث یوتھ فورس کے زیر اہتمام جناح ہال ملتان میں ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے علامہ احسان الٰہی ظہیر نے کہا کہ جماعت اسلامی نے جمہوریت مخالف پالیسی اپنا کر اور جنرل ضیا کی حمایت کر کے فاش غلطی کی تھی اور اب وہ سمجھتی ہے کہ جنرل ضیا کی مخالفت کر کے اور جمہوری جماعتوں کی حمایت کے بل بوتے پر وہ دوبارہ ووٹ حاصل کر لے گی مگر جماعت اسلامی اور متحدہ شریعت محاذ کی جماعتوں کی ہر روز بدلتی ہوئی پالیسی اور پیپلز پارٹی کی بالادستی قبول کر لینے سے ان کی قلعی کھل گئی ہے انہوں نے کہا کہ متحدہ محاذ اپنی موت آپ مر رہا ہے اور حال ہی میں ۲۳ اور ۲۴ جماعتوں کے تعاون سے انہوں نے گوجرانوالہ میں جو جلسہ عام منعقد کیا تھا عوام نے اس میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا ہے انہوں نے کہا کہ اس کے برعکس جمیعت اہل حدیث نے مختصر وقت میں بڑے بڑے جلسے کر کے اپنے وجود کو ثابت کر دیا ہے اور جہاں وہ حکومت کے لیے آنکھ کا کانٹا بن گئے ہیں وہاں انہوں نے خود کو دین کا اجارہ دار سمجھنے والی جماعتوں کے لیے بھی مشکلات پیدا کر دی ہیں انہوں نے کہا کہ ہماری جماعت ختم نبوت کے منکروں کا ہر سطح پر مقابلہ کرے گی اور ان کے مذموم ارادوں کی راہ میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ ختم نبوت کا مسئلہ آج کل اہمیت اختیار کر گیا ہے کیونکہ ملک میں کئی ایسے فتنے پیدا ہو چکے ہیں جن میں سے ایک فتنہ ختم نبوت کے منکروں کا ہے انہوں نے کہا کہ جو لوگ دینی جماعتوں کے

مابین شریعت بل کو قدر مشترک سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور شریعت محاذ میں بعض جماعتوں کی دوستی ناقابل فہم ہے کیونکہ کل تک جو لوگ ایم آر ڈی کا نام سننے کے بھی روادار نہیں تھے آج وہ ایم ار ڈی کو شریعت محاذ کی قیادت سونپنے کے لئے تیار ہیں"۔ (صفحات ۸، ۷)

---

## ۳۔ خواجہ اجمیریؒ کی ایک کرامت

پچھلے ماہ صدر پاکستان نے اپنے ہندوستان کے دورے کے دوران حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مزار پہ حاضری دی۔ اس کے حوالے سے ہمارے رسائل واخبارات میں ان کے سوانح حیات شائع ہو رہے ہیں۔ جو زیادہ تر ان کی کرامات پر مُشتمل ہیں۔ ان کی ایک کرامت ہمارے قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

"اُجمیر شریف میں ایک مشہور تالاب آنا ساگر تھا، جسے ہندو استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس تالاب کا پانی استعمال کرنا شروع کیا تو ہندوؤں نے اُسے ناپسند کیا۔ جس کی وجہ سے مندرجہ ذیل کرامت ظہور میں آئی :۔

"آنا ساگر کے پانی سے غسل کرنا وضو کرنا اور ہر کام میں اس پانی کا استعمال کرنا ان پجاریوں کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ تالاب کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال بند کر دیا۔ جب خواجہ غریب نواز کا مُرید وضو کے لئے پانی لینے گیا۔ تو اسے ان پہرے داروں نے پانی لینے سے منع کر دیا اور کہا راجہ کا حکم ہے۔ پھر مرید خواجہ کے پاس آیا اور ماجرہ بیان کیا۔ آپ نے پھر فرمایا جاؤ تالاب کے پانی کو اس لوٹے میں لے آؤ۔ جب وہ خادم مرید تالاب کے کنارے گیا اور چاروں طرف پہرہ دیکھا دور سے ہی اس خادم نے کہا اسے پانی تجھے خواجہ پیا نے بلایا ہے۔ تالاب کا سارا پانی اس لوٹے میں آگیا تالاب بالکل سُوکھ گیا۔ جب پجاریوں نے دیکھا کہ تالاب میں پانی بالکل سوکھ گیا۔ پانی کی تکلیف ہونے لگی۔ جانور پیاسے مرنے لگے یہ دیکھ کر پریشان ہوئے۔ شرمندہ ہو کر آپ کے پاس آئے اور سب نے حاضر خدمت ہو کر معافی مانگی۔ گڑگڑانے لگے جے پال جوگی (جو بہت بڑا جادوگر تھا) نے حضور خواجہ غریب نواز کو یہ پیغام بھیجا۔ آپ اپنے کو فقیر کہتے ہیں۔ فقیروں کا کام رحم وکرم کرنا ہے مخلوق و جانور پیاسے مر رہے ہیں۔ آپ نے فوراً اپنے خادم کو حکم دیا جاؤ لوٹے کا پانی تالاب میں ڈال دو۔ پانی تالاب میں ڈالتے ہی تالاب لبالب بھر گیا۔

# رابطہ باہمی

محترم پرویز صاحب کی وفات کے بعد ادارہ اپنے انتظامی امور کی از سرِ نو ترتیب و تشکیل میں ایسا مصروف رہا کہ بزموں کے ساتھ رابطہ رکھنے میں پہلی سی مستعدی قائم نہ رکھ سکا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ادارہ طلوعِ اسلام کی جنرل کونسل نے فیصلہ کیا کہ بزموں سے قریبی رابطہ کے لئے ادارہ کا نمائندہ وفد ان کا فرداً فرداً دورہ کرے۔ چنانچہ ادارہ کی جانب سے ایسے نمائندہ وفد نے اب تک درجِ ذیل دورے کئے ہیں۔

## بزم کراچی (۳۰-۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء)

نمائندہ وفد کے پانچ اراکین ۳۰ اکتوبر کی شام کو کراچی پہنچے اور محترم محمد اکرم راٹھور صاحب کے ہاں قیام کیا۔ تمام رات محترم محمد اسلام صاحب، محمد اکرم صاحب راٹھور اور محترم خالد گل صاحب سے ادارہ کی تنظیم، طلوعِ اسلام ٹرسٹ اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ اگلے دن صبح اراکینِ وفد، بزم طلوعِ اسلام کراچی کے زیرِ اہتمام ہونے والے محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن میں شریک ہوئے درس کے بعد بزم کراچی کا ایک خصوصی اجلاس برمکان محترم خالد گل صاحب منعقد ہوا جس میں قریبی رابطوں کے موضوع کے علاوہ احباب نے طلوعِ اسلام ٹرسٹ اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام کے بارے میں مفید مشورے دیئے۔ اس کے بعد وفد اور اراکینِ بزم نے معزز میزبان کی مہمان نوازی کا لطف اٹھایا۔ کسی بھی شخص کا دل محفل چھوڑنے کو نہ چاہتا تھا! لیکن وفد کی واپسی اسی شام مقرر تھی۔ احباب وفد کو دور تک رخصت کرنے آئے اور یوں وفد الفت و یگانگت کی یادیں سمیٹے لاہور واپس آیا۔

## بزم طلوعِ اسلام لیہ (۲۴ نومبر ۱۹۸۶ء)

اراکینِ وفد نے بزم طلوعِ اسلام لیہ کے احباب کے ساتھ بھرپور اور یادگار دن گزارا باوجودیکہ نمائندہ بزم جناب محمد یٰسین صاحب بیمار تھے، احباب نے وفد کی پذیرائی کے لئے تین مختلف جگہوں پر صبح دوپہر شام کا الگ الگ پروگرام بنا رکھا تھا۔ احباب کی تحریک کے ساتھ دیرینہ اور والہانہ وابستگی بڑی دلچسپی کا باعث بنی۔

محترم پرویزؒ صاحب کے ابتدائی رفقاء میں سے ایک چوہدری عبدالعزیز اعوان صاحب جو قیام پاکستان کے بعد لیّہ میں مقیم ہو گئے تھے باباجی کی زندگی ہی میں مرحوم ہو گئے تھے لیکن ان کے فرزند ارجمند چوہدری محمد صدیق صاحب نے احباب کو شام کے وقت اپنے ہاں مدعو کیا اور نشست محفل کا اہتمام کیا تھا۔ محترم پرویزؒ صاحب کی وفات کے بعد کے واقعات کے تذکرہ کے علاوہ طلوع اسلام ٹرسٹ کے قیام، تحریک طلوع اسلام کی تنظیم نو اور دیگر انتہائی اہم موضوعات پر بڑی بامعنی اور مفید باتیں ہوئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ احباب میں سے کوئی بھی محفل چھوڑنے پر آمادہ نہیں حتّٰکہ بعد از نماز مغرب بھی یہ محفل تادیر جاری رہی۔ احباب کا تقاضا تھا کہ دوسرے دن بھی وفد لیّہ میں قیام کرے لیکن وقت کی تنگی مانع تھی۔

---

## بزمِ طلوعِ اِسلام بورے والا (۲۴-۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء)

اس دورے کا آغاز محترم شیخ عبدالحئی صاحب کی بچیوں کی شادی میں شرکت سے ہوا۔ بزم بورے والا کے نمائندہ محترم محمد اسلم صابر صاحب نے اپنے جملہ احباب بزم کا ایک ہنگامی اجلاس بلاکر وفد کی پذیرائی کی اجلاس میں طلوع اسلام ٹرسٹ کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا گیا اور اس کی کامیابی کے لئے ہر گونہ معاونت کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ بزم کے دفتری ریکارڈ کو جس عمدہ طریق پر تیار کیا گیا تھا وہ انتہائی قابلِ تقلید ہے۔

۲۵ دسمبر کی صبح کو اراکین وفد چک نمبر $\frac{215}{E.B}$ گگو گئے وہاں کے احباب محترم چوہدری فضل داد صاحب کے ڈیرے پر منتظر تھے۔ یہ مختصر سی ملاقات بھی یادگار رہے گی۔

---

## بزمِ طلوع اسلام وہاڑی۔ ۲۵ دسمبر (شام)

بزمِ طلوع اسلام وہاڑی کے احباب حسب پروگرام محترم ڈاکٹر غلام فرید گل صاحب کے ہاں جمع تھے۔ کہ وفد شام ۴ بجے وہاں پہنچا اور احباب سے طلوع اسلام ٹرسٹ کے متعلق تفصیلی مشورے ہوئے۔ نمائندہ بزم محترم خالد صدیق صاحب نے بزم کی تنظیمِ نو کے لئے احباب کو نئے سرے سے ذمہ داریاں سونپیں اور یوں یہ محفل دو گھنٹے جاری رہنے کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔

بورے والا چک نمبر ۲۱۵ ع ب اور وہاڑی کے سارے سفر میں وہاڑی بزم کے محترم ارشاد فارانی صاحب وفد کے ہمراہ رہے اور وہاڑی میں شب کا قیام بھی انہی کے ہاں تھا۔ ان کا محبت بھرا ساتھ وفد کیلئے یادوں کی متاع ہے۔

---

## بزم طلوع اسلام ملتان - ۲۶ دسمبر (صبح)

وفد وہاڑی سے روانہ ہو کر صبح دس بجے ملتان پہنچا اور ملتان بزم کے زیر اہتمام ہونے والے محترم پرویز صاحب کے درس قرآن میں شریک ہوا۔ ملتان شہر میں سامعین درس کی ایک خاصی تعداد باقاعدگی سے درس میں شریک ہوتی ہے۔ احباب بزم سے تفصیلی تبادلہ خیال ہوا اور طلوع اسلام ٹرسٹ کے انتظام اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام کے بارے میں مفید مشورے ہوئے۔ اس مرحلہ میں محترم محمد لطیف چوہدری صاحب جو لاہور سے وفد کے ہمراہ نہ چل سکے تھے، وفد میں آشامل ہوئے۔ دوپہر کی مہمانی محترم محمد اقبال سرور صاحب نمائندہ بزم کے ہاں تھی ان کا گھر ملتان شہر کے بیرونی کنارے ایک پُرفضا مقام پر ہے۔ وفد کے ذہن میں فوراً یہ خیال گزرا کہ وہاں تو کنونشن اور سب کنونشن کے اجتماع بلا نازیادہ اچھا رہے گا (بہرحال یہ فیصلہ کرنا تو ادارہ طلوع اسلام کی کونسل کا کام ہے)

---

## بزم طلوع اسلام خانیوال - ۲۶ دسمبر (شام)

وفد محترم محمد اقبال سرور صاحب کی ہمراہی میں ملتان سے براستہ پنج کسی، خانیوال پہنچا۔ محترم عبدالرزاق ضیغم صاحب کے ہاں اصحاب جمع تھے۔ خانیوال کے ضلع بن جانے کے بعد وہاں بزم کی کارکردگی کو بڑھانے پر غور و خوض ہوا۔ احباب بزم نے طلوع اسلام ٹرسٹ میں ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا۔

---

## بزم طلوع اسلام پنج کسی ۲۶ دسمبر (رات)

خانیوال سے رخصت ہو کر وفد واپس پہنچ کسی گیا۔ وہاں جمع احباب رات گئے تک وفد کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ بجلی بند ہونے کے باوجود یہ محفل برخاست ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ محترم باباجی کی ۱۹۵۸ء میں پنج کسی آمد کے بعد اس دن ادارہ کا وفد بزم کا مہمان تھا۔ نمائندہ بزم چوہدری عبدالعزیز صاحب اور

ان کے رفقاء کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اراکین وفد نے بزم کے مسلسل لکھے ہوئے ریکارڈ کو دیکھا تو بے شمار یادوں کے چراغ روشن ہو گئے۔

محترم عطا محمد صاحب مرحوم اور گزشتہ نمائندہ محترم حکیم احمد دین صاحب (مرحوم) کی کمی بالخصوص محسوس کی گئی۔ وفد نے ان کے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کیا اور دعائے مغفرت کی۔

---

## بزم طلوع اسلام چشتیاں۔ ۲۷ دسمبر بعد دوپہر

ادارہ کا نمائندہ وفد صبح بزم پنج کسی کے احباب سے رخصت ہو کر قریب ایک بجے بعد دوپہر چشتیاں پہنچا۔ وہاں کے احباب حسب پروگرام محترم چوہدری سلطان احمد صاحب کے ہاں پہلے سے منتظر تھے۔ کئی اراکین بہاولنگر، ڈاہر انوالہ اور حاصل پور جیسے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ چوہدری صاحب نے احباب کی آمد کے پیش نظر ایک پُر تکلف ظہرانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اظہارِ خلوص کے اس محبت بھرے انداز کے لئے وفد ان کا تہِ دل سے مشکور رہے۔ بزم کی تشکیل نو، طلوع اسلام ٹرسٹ اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام کے بارے میں احباب نے کار آمد مشورے دیئے۔ یہ محفل تین گھنٹے سے جاری تھی کہ اراکین وفد نے اجازت چاہی۔ احباب بزم نے احساس تشنگی کے ساتھ وفد کو رخصت کیا کیونکہ انہیں اسی شام جلہ جیم تحصیل میلسی ضلع وہاڑی جانا تھا۔

---

## بزم طلوع اسلام جلہ جیم۔ ۲۷ دسمبر (رات)

جلہ جیم دریائے ستلج کے شمالی کنارے سے تھوڑے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے وہاں کی بزم کے نمائندہ جناب حکیم قمر الزمان تقلینی صاحب بزم کے ابتدائی رکن اور با اثر افراد میں سے ہیں۔ ان کے ہاں رات کے وقت احبابِ بزم کا اجتماع تھا۔ یہ محفل ابتدائے شب سے رات گئے تک جاری رہی۔ محترم حکیم صاحب کے بصیرت افروز خیالات ٹرسٹ اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام میں یقیناً راہنما ثابت ہوں گے۔ انہوں نے احباب کو اراکین بزم کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ حکیم صاحب کا پُر شوکت ڈیرا اور رات کا راحت بخش قیام احباب کو جلہ جیم کی یاد دلاتا رہے گا۔ احباب ۲۸ دسمبر کی صبح ناشتہ کے بعد بہاولپور کے لئے روانہ ہوئے۔

---

## بزمِ طلوعِ اسلام بہاولپور۔ ۲۸ دسمبر بعد دوپہر

بہاولپور کے احباب ٹھیک ایک بجے حاجی عبدالوحید صاحب کے گھر پر چشم براہ تھے۔ یہاں بزم کے کئی پرانے کارکنوں سے ملاقات ہوئی۔ جن میں سے محترم ڈاکٹر محمد اعظم خاں ہومیوپیتھک ڈاکٹر خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں۔ احبابِ بزم نے طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے قیام کو بنظرِ استحسان دیکھا اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام میں دلچسپی کے اظہار کے ساتھ ساتھ معاونت کے عزم کا بھی اظہار کیا۔

اراکینِ وفد نے دیگر اراکینِ بزم کے ہمراہ دوپہر کا کھانا حاجی عبدالوحید صاحب کے ہاں کھایا۔ جس کے بعد احباب نے وفد کو خلوص آمیز دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

---

## بزمِ طلوعِ اسلام کمالیہ (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) ۲۹ جنوری ۱۹۸۷ء

وفد کے اس دورے کا آغاز محترم عمران شاہد صاحب نمائندہ بزم ٹورنٹو حال مقیم کمالیہ کی شادی میں شرکت سے ہوا۔ وفد باراتیوں کے ہمراہ نواحِ چیچہ وطنی گیا اور وہیں بزم کے جملہ اراکین کے ساتھ تفصیلی گفتگو ہوتی رہی۔ صوبیدار عبدالمجید صاحب نمائندہ بزم کمالیہ بھی شادی میں شریک تھے۔ جہاں وفد کی شادی میں شرکت اس کے لئے باعثِ مسرت تھی وہاں اراکینِ بزم کے لئے یہ شادی کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کا وسیلہ بنی۔ شادی سے واپسی پر اراکینِ وفد محترم صوبیدار صاحب کے گاؤں چک ۳۷/GB گئے اور شام کی چائے کے بعد وہاں سے رخصت ہو کر فیصل آباد کے لئے روانہ ہوئے۔

---

## بزمِ طلوعِ اسلام فیصل آباد۔ ۲۹ جنوری ۱۹۸۷ء (رات)

حسبِ پروگرام رات کا قیام فیصل آباد بزم کے نمائندہ محترم محمد حیات ملک صاحب کے ہاں تھا۔ وفد نے محترم ملک صاحب اور احباب کو منتظر پایا۔ رات گئے تک باہمی دلچسپی کے امور پہ باتیں ہوتی رہیں۔ اراکینِ وفد نے محترم نذیر حسین عارف صاحب مرحوم کے بیٹے خالد نذیر عارف صاحب سے اظہارِ تعزیت بھی کیا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء صبح اراکینِ وفد محترم محمد حیات ملک صاحب کی معیت میں سرگودھا کے لئے روانہ ہوئے۔

## بزمِ طلوعِ اسلام سرگودہا و چک نمبر ۱ شمالی ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء (صبح)

وفد، بزم سرگودہا کے صبح ۹ بجے کے درس قرآن میں شرکت کی غرض سے ٹھیک وقت پر محترم ارشد محمود ارشد کے ریلوے روڈ پر واقع مکان پر پہنچا۔ محترم موصوف نے اپنے مکان کے وسیع لان میں احباب کے لئے بیٹھنے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ سرگودہا بزم کے علاوہ بزم چک نمبر ۱ شمالی کے چوہدری محمد نصر اللہ خاں صاحب اور خوشاب کے احباب بھی تشریف لے آئے۔ بزم کے پرانے رفیق محترم حکیم حسن محمد نظامی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب اور نظامی برادران کی موجودگی سے وفد کی خوشیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ احباب نے طلوع اسلام ٹرسٹ کے قیام پر یک گونہ اطمینان کا اظہار کیا اور پرویز میموریل لائبریری کے قیام کے بارے میں قابلِ قدر تعاون پیش کیا۔ یہ محفل دوپہر تک جاری رہی اور محترم ارشد محمود صاحب کی مہمان نوازی سے لطف اندوزی پر اختتام پذیر ہوئی۔ ازاں بعد اراکینِ بزم واپس فیصل آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

---

## بزمِ طلوعِ اسلام فیصل آباد ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء (بعد دوپہر)

وفد بزم فیصل آباد کے زیر اہتمام ہونے والے درسِ قرآن میں شرکت کی غرض سے ۳½ بجے فیصل آباد پہنچ گیا۔ اہلِ بزم نے پہلے تو محترم نذیر حسین عارف مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کیا اور پھر وفد کی جلد واپسی کے پیشِ نظر درس کو مؤخر کر کے اراکینِ وفد سے گفتگو کی۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ اور پرویز میموریل لائبریری کے بارے میں اگرچہ محترم محمد حیات ملک صاحب نمائندہ بزم (جو ٹرسٹ کے بانی اراکین میں سے ہیں) پہلے ہی احباب کو واقعات سے مطلع کر چکے تھے۔ تاہم وفد کی زبان سے باتیں اور خصوصاً مستقبل کے پروگرام جان کر انہیں بے حد خوشی ہوئی۔ اگرچہ بزم فیصل آباد ایک تعلیمی ادارہ اپنے زیرِ انتظام چلا رہی ہے تاہم انہوں نے ٹرسٹ کے ترقیاتی پروگراموں میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

اور یوں وفد، احباب کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اور احباب کی پُرخلوص دعائیں لیتا۔ ۳۰ جنوری کی رات واپس لاہور پہنچ گیا۔

---

**بزمِ طلوعِ اسلام لندن۔** بزم طلوعِ اسلام لندن کے سابق نمائندہ محترم مقصود حسن کیانی مرحوم کی وفات کے بعد محترم مقبول محمود فرحت صاحب نمائندہ منتخب ہوئے ہیں ادارہ اُن کے انتخاب کی توثیق کرتا ہے۔ ناظم ادارہ

# باب المراسلات

کراچی کے حالیہ ہنگاموں سے متعلق ایک دردمند دل رکھنے والے پاکستان کے بہی خواہ نے جو اس تمام عرصہ ان ہنگاموں کی زد میں رہا، ہمیں اپنے دل کی پکار بھیجی ہے۔ جسے بلا تبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

کراچی کے حالیہ ہنگاموں میں انسانوں کے خون کی جو ارزانی دیکھنے میں آئی اس نے تقسیم ہند کے وقت کے قتل عام اور مشرقی پاکستان کی خونریزی کو ماند کر کے رکھ دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ایک طرف یہودی افواج کے خونخوار درندے تھے تو دوسری جانب شتیلہ کیمپ کے نہتے مظلوم فلسطینی!! ۱۴ دسمبر ۸۶ء کو علی گڑھ کالونی اور اس کے قرب وجوار میں جو ابلیسی رقص ہوا اس کی ویڈیو فلم دیکھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے دودھ پیتے بچے خواتین اور بوڑھے آگ کا ایندھن اور کلاشنکوف کی گولیوں کا لقمہ بنتے رہے دنیا کی تیسری بڑی اسلامی مملکت میں اس آگ کے شعلے مسلسل پانچ گھنٹے تک بلند ہوتے رہے اور لہو کے فوارے بہتے رہے ——— ——— "اسلامی کلچر" کی آرٹ گیلری میں خواتین کے ہاتھوں کی کٹی ہوئی انگلیاں چوڑیاں اور جلی ہوئی برہنہ لاشوں کے مناظر قابل دیدنی تھے۔ جو مسلمانوں کی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کے اضافہ کا موجب ہوئے۔ روزنامہ جنگ کراچی کی ۷ جنوری کی اشاعت میں غلام مصطفےٰ جتوئی اور معراج محمد خاں صاحب کے بیان کے مطابق ان فسادات میں ۷۰۰ اشخاص لقمۂ اجل بنے ایک ہزار سے زائد افراد زخمی ہوئے جن میں سے تقریباً نصف ایسی حالت میں ہیں کہ وہ اب پوری زندگی معذور اور اپاہج بن کر ہی گزاریں گے۔ اخبار جنگ کراچی مورخہ ۲۱ کے مطابق ہنگاموں میں ۱۶ کارخانے دو پیٹرول پمپ۔ ۱۲ بنک۔ ایک ٹرانسفارمر تقریباً ۵۰۰ کچے اور پکے مکانات۔ ۳۰۰ جھگیاں۔ ۴۲ ہوٹل۔ ۱۵۰ دکانیں ۳۰ ٹیکسیاں۔ ۳۲ منی بسیں۔ ۱۵ ٹرک۔ ۲۵ بسیں۔ ۲ ٹرالر اور ۷۵ اسکوٹر نذر آتش ہوئے۔ کراچی میں ایک دن صنعتی و تجارتی عمل مفلوج ہونے سے کم و بیش دس کروڑ روپے کا نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان ان تمام نقصانات کے علاوہ ہے جو جائیدادوں اور گاڑیوں کو نذر آتش کرنے سے ہوا۔ ۳۱ اکتوبر ۸۶ سے ۲۱ جنوری ۸۷ تک کے نقصانات کا اندازہ اس تجزیئے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے اس وجہ خونریزی، ہلاکت، لوٹ مار، آتش زدگی کے باوجود حکومت نے تو یہ کہہ کر کہ ان ہنگاموں میں بیرونی تخریب کاروں کا ہاتھ ہے، خود کو بری الزمہ قرار دے

لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بیرونی "ہاتھ" یا تخریب کاری کو آسمانی آفات تصور کر لیا گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری سے حکومت مبرّا ہے۔ مذہبی حکومت اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور کر سکتی تھی کہ اس آسمانی آفت سے نجات حاصل کرنے کے لئے "آیاتِ کریمہ" کا ختم ہی کرا دیتی۔ کیونکہ جہاں تک انکواری کمیشن بٹھا کر تحقیقات کرنے کا تعلق ہے، اس پر سے تو عوام کا اعتماد بالکل ختم ہو چکا ہے۔ آج تک جتنے تحقیقاتی کمیشن بنائے گئے ان میں سے کسی تحقیق کو عوام کے سامنے نہیں لایا گیا۔ پھر یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ حکومت کوئی غیر جانبدارانہ تحقیق کرانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اس لئے حکومت نے بڑی دانش مندی سے کام لیا اور ان ہنگاموں کا ذمہ دار "بیرونی ہاتھ" کو قرار دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا! [redacted] کے صحافیوں، دانشوروں، مبصرین و تنقید نگار حضرات، مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے ان ہنگاموں پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار ضرور کیا ہے جس سے پریشان نظری کے سوا حقیقت حال سامنے آنی دشوار ہے۔ ایک طبقہ کہتا ہے۔ کہ اس المیہ کے ذمہ دار منشیات اور اسلحہ کے سمگلروں کا طاقت ور مسلح طبقہ ہے جس نے سہراب گوٹھ کے اپریشن کلین اَپ کے ردعمل میں نہتے اور بے گناہ شہریوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا ہے۔ دانشوروں کا کہنا ہے کہ یہ ہنگامے دراصل معاشی ناہمواری، طبقاتی کشمکش، حقوق کی پامالی اور احساسِ محرومی کا نتیجہ ہیں۔ چند مبصرین کا خیال ہے کہ یہ ہنگامے صوبائی تعصب، لسانی اور نسلی قومیتوں کے پیدا کردہ ہیں۔ سیاسی رہنما فرماتے ہیں کہ یہ ہنگامہ آرائی طویل عرصے کے مارشل لاء، غیر جماعتی انتخابات، عسکری نوکر شاہی، بیوروکریسی کا نتیجہ ہیں اور اس کا حل یہ ہے کہ موجودہ حکومت مستعفی ہو کر مڈٹرم انتخابات کرا کر اقتدار ان کے سپرد کر دے۔ مذہبی جماعتوں اور ان کے پیشوا حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ہنگامے ایک مذہبی گروہ کے ایما پر ہوئے ہیں اس گروہ کے کچھ علماء نے روس کا دورہ بھی کیا تھا۔ چند تنقید نگار کہتے ہیں کہ یہ سب کیا دھرا جماعت اسلامی کا ہے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ان ہنگاموں کے ذمہ دار غفار خاں، ولی خان، جی ایم سید، ممتاز بھٹو، الطاف حسین، عبدالحفیظ پیرزادہ، بزنجو اور مینگل ہیں۔ حنیف رامے صاحب کا کہنا ہے کہ ہنگاموں کی اصل جڑ شہری اور عسکری نوکر شاہی ہے جس کا مقصد کسی نہ کسی طرح جونیجو گورنمنٹ سے چھٹکارا حاصل کر کے مارشل لاء واپس لانا ہے۔ ایک تبصرہ نگار تحسین آفاقی صاحب کہتے ہیں کہ مشاہدات کے پیشِ نظر مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ اس قتالِ مہاجرین کی منصوبہ بندی انتظامیہ اور پولیس نے کی۔ اس عرصہ میں اور بھی کئی حضرات کے تبصرے اخبارات میں شائع ہوئے۔ اس تمام عرصہ میں ایک بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ سندھ کے علاوہ باقی تین صوبوں کے سیاسی "رہنماؤں" نے جو بیانات جاری کئے وہ جانبدارانہ صوبائی عصبیت پر مبنی اور تنگ نظری کا مظہر ہیں۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ۔ سیاسی لیڈران۔ ممبران اسمبلی ڈاکٹرز اور وکلاء کا طرزِ خیال علاقائیت پر مبنی تھا ولی خان صاحب کا قدم ان میں سب سے آگے تھا وہ کہتے ہیں کہ وزیرستان کے دس ہزار افراد کا لشکر کراچی جانے کے

لئے تیار کھڑا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ میرا بس چلے تو میں کلاشنکوف سے مہاجروں کو بھون کر رکھ دوں۔ جی ایم سید صاحب کا کہنا ہے کہ پاکستان کو اب توڑ دینا چاہیئے۔ کوئی سندھی نہ بولنے والا کبھی سندھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اگر اقتدار میں آئے تو مہاجرین کو ہندوستان واپس بھیج دیں گے سندھ سے پنجابی اور پٹھانوں کو سیدھی طرح اپنے صوبوں میں چلا جانا چاہیئے۔ ان تمام طبقوں اور حضرات کی پریشان نظری نے مجھے سخت پریشان کر دیا ہے۔ امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ دو قومی نظریہ، نظریۂ پاکستان کو شاید پوری قوم فراموش کر چکی ہے صدر مملکت عالم اسلام کی یک جہتی اور وحدتِ ملت کے لئے اسلامی ممالک کا دورہ کرتے نہیں تھکتے، ایران عراق کی جنگ بند کرانے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں اور خود اپنے ملک میں مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے لسانی اور نسلی گروہ آپس میں برسرِ پیکار ہیں یہ انہیں نظر ہی نہیں آتا۔ اللہ پاکستان کی حفاظت کرے۔

---

## بقیہ: قرآنی تصوّرات والفاظ واصطلاحات (صـ۴۶ سے آگے)

ان کی کتابوں اور ان کی زندگی کے معمولات پہ غور کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا ایک جوہری ہو جو صدیوں سے ویران پڑے کھنڈرات کے اجڑے ہوئے کمروں میں قدم قدم پہ رُک کر ملبے میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک ایک پتھر اٹھا کے اسے دیکھتا، الٹا پلٹتا، صاف کرتا اسے اس کی اصلی آب تاب دیتا اور پھر اسے سنبھال کر روشنی میں رکھتا ہے کہ قدر شناسوں کی نظروں میں آ سکے۔ اس کی آنکھیں صبح و شام، دن رات ان ہیروں کی تلاش میں رہیں، اس کے ہاتھ عمر بھر اس قیمتی اثاثے سے گرد ہٹانے میں مصروف رہے، انگلیاں فگار، خامہ خونچکاں! وہ ان کھنڈروں میں بکھرے موتیوں سے باخبر تنہا اس فرض کا بوجھ اپنے کندھوں پہ لئے اپنے آرام و چین سے بے نیاز مصروفِ جستجو رہے لغات القرآن میں دئے ایک ایک لفظ کو دیکھئے اور داد دیجئے اس جوہری کی نگاہِ جوہر شناس کی جس نے ایک عمر ان گم گشتہ موتیوں کو ان کی آب و تاب دینے میں گزار دی اور نوادرات کا یہ خزانہ اپنی کتابوں میں یوں سجا کر رکھ گئے، جیسے جوہری کی الماریوں میں سجے نگینے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

محمد امغان ثاقب

# مساجد میں عورتوں کی نماز کے بارے میں رابطۃ العالم الاسلامی کا فتویٰ

ہمارے ملک میں بہت سی دینی جماعتیں کسی نہ کسی طریقے سے رابطہ العالم الاسلامی سے "فیض" حاصل کرتی رہتی ہیں اور وہ اس بین الاقوامی دینی ادارے کی سرگرمیوں سے اہلِ وطن کو باخبر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اس بارے میں بھی وہ دیانتداری سے کام نہیں لیتیں، رابطے کے جو فتاویٰ ان کے مسلک کے خلاف ہوتے ہیں، وہ اہلِ پاکستان کو ان کی ہوا تک نہیں لگنے دیتے۔ انہی میں سے ایک حالیہ فتویٰ عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنے کے بارے میں ہے۔

دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت، ہمارے ہاں عورتوں سے مختلف سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر گھروں کی چار دیواریوں میں ہی بند رہتی ہیں اور انہیں شاذ و نادر ہی باہر نکلنے دیا جاتا ہے۔ ان میں سے جو، اپنے ضروری کاموں کے لئے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور ہیں، نیم تعلیم یافتہ لوگ، ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے جبکہ دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی صورتِ حالات نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حال ہی میں مکہ مکرمہ کے مشہور دینی ادارے رابطہ العالم الاسلامی نے ایک فتویٰ جاری کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک میں عورتیں نہ صرف یہ کہ گھروں سے نکلنے میں آزاد ہیں، بلکہ وہ مردوں کے ساتھ مساجد میں نماز پنجگانہ بھی ادا کرتی ہیں۔ دورِ رسالت، اسلام کا سنہری دور تھا، اس زمانے میں عورتوں کے گھروں سے باہر نکلنے پر کوئی پابندی نہ تھی اور وہ آزادی سے اپنے گھروں سے باہر کام کاج بھی کرتیں اور مساجد میں نمازیں بھی ادا کرتیں تھیں ان کی اس آزادی کی تفصیلات، مختلف احادیث میں ملتی ہیں ان میں سے ایک حدیث کے مطابق ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے آنے میں دیر کر دی اور آپؐ اس وقت تشریف لائے، جب حضرت عمرؓ نے آپؐ کو آواز دی کہ نماز کے لئے آنے والی عورتیں اور بچے مسجد میں سونے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں رات کو دیر تک عورتیں مساجد میں ٹھہری رہتی تھیں۔

ایک دوسری حدیث کے مطابق، جو خود حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اس زمانے میں عورتیں صبح کی نماز پڑھ کر گھروں کو واپس جاتی تھیں تو اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ یہ امر دلچسپ سے خالی نہ ہوگا کہ اس زمانے میں بچوں کو دودھ پلانے والی عورتیں بھی مساجد میں نماز پنجگانہ ادا کرتی تھیں۔ ایک حدیث شریف میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو ساتھ لے کر مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کرتیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو آپؐ نماز مختصر کر دیتے تاکہ کسی بچے کی ماں کو لمبی نماز کی وجہ سے پریشان نہ ہونا پڑے۔

اس موضوع پر لاتعداد احادیث موجود ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ دورِ رسالت میں، عورتیں مساجد میں نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کے لئے آزادی سے آتی جاتی تھیں اور اس بارے میں ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ بلکہ اس کے برعکس بعض ایسی روایات ملتی ہیں کہ جن کے مطابق جب بعض صحابہؓ نے اپنے اہلِ خانہ کو مساجد میں جانے سے روکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ اور فرمایا کہ عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے گھروں میں جانے سے نہ روکا جائے۔ عیدین کے موقع پر تو آپؐ نے خصوصی ہدایات جاری کر رکھی تھیں کہ تمام عورتیں عیدگاہ کے میدان میں جمع ہوں۔ یہاں تک کہ جو عورتیں ایام کی حالت میں ہوتیں ان کے لئے بھی عیدگاہ میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ اگرچہ وہ نماز میں شریک نہیں ہوتی تھیں، انہیں صرف دعا میں شریک کیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں عام طور پر عورتیں، گھروں سے نکلتے وقت، اپنے آپ کو ایک بڑی چادر سے ڈھانپ لیتی تھیں۔ ہمارے ہاں جو برقع مروج ہے، اس زمانے میں اس کا کوئی رواج نہیں تھا۔

---

تاہم دستور یہ تھا کہ عورتیں مردوں کے پیچھے صفیں بناتی تھیں اور نماز کی ادائیگی کے بعد مرد کچھ دیر کے لئے رُکتے یہاں تک کہ تمام عورتیں مسجد سے باہر نکل جاتیں، کافی لمبے عرصے تک، ان اسلامی تعلیمات پر باقاعدگی سے عمل ہوتا رہا لیکن دوسری صدی ہجری میں جب اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی تو اس سلسلے میں کچھ ایسے مسائل سامنے آئے کہ جن کی وجہ سے اس معاملے کی تفصیلات کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تاہم یہ امر تو سب کے نزدیک متفق علیہ رہا کہ عورتیں مردوں کے پیچھے صفیں بنائیں۔ لیکن بعض ایسی صورتیں بھی تھیں، جو ہنگامی طور پر پیش آتی تھیں مثلاً مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی اور ایک عورت جلدی میں مردوں کی صف میں شامل ہو گئی۔ دوسرے فقہی مذاہب نے تو اس بارے میں یہ فتویٰ جاری کیا کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن حنفی فقہ کا فیصلہ اس بارے میں مختلف تھا۔ ان کے نزدیک ایسی عورت کی نماز تو درست ہو گی لیکن وہ جس مرد کے قریب کھڑی

ہوگی، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (شرح فتح القدیر جلد اول ص۲۵۱) اسی طرح اگر کوئی مرد مسجد میں نماز کے لئے آتا ہے لیکن وہ مسجد کو مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا پاتا ہے تو دوسرے فقہی مذاہب کے آئمہ کے نزدیک اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ لیکن حنفی فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کی نماز درست نہیں ہوتی، اسے اپنی نماز دوبارہ ادا کرنی ہوگی (ایضاً) چنانچہ اسی بناء پر حنفی فقہاء نے یہ فتوےٰ دیا کہ جوان عورتوں کو نماز ادا کرنے کے لئے مساجد میں نہیں جانا چاہیئے۔ صرف عمر رسیدہ عورتیں اس شرعی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ (ایضاً)

نوجوان عورتوں نے فقہاء کے اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مساجد میں نماز ادا کرنے پر اصرار کیا۔ تاہم اس سلسلے میں احتیاط سے کام لیا جانے لگا۔ مساجد میں ستونوں کے ساتھ دریاں باندھ کر عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ مخصوص کر دی جاتی۔ بعد میں اس سلسلے میں مزید احتیاط برتی جانے لگی اور مساجد میں لکڑی کے تختے کھڑے کر کے، عورتوں کے لئے علیحدہ حصے مخصوص کر دیئے گئے۔ ہمارے ہاں تو پردہ کی رسم پر اور بھی سختی سے عمل کیا گیا اور عورتوں کو سرے سے مساجد میں جانے ہی سے روک دیا گیا۔

اس کے برعکس، دوسرے اسلامی ممالک میں، عورتیں مساجد میں نمازیں ادا کرتی رہی ہیں۔ اس سلسلے میں حال ہی میں مکہ مکرمہ کے مشہور دینی ادارے رابطہ العالم الاسلامی سے وضاحت چاہی گئی ہے کہ اگر مسجد میں نماز کی جماعت ہو رہی ہو اور کوئی عورت جلدی میں مردوں کی صف میں شامل ہو جائے تو کیا اس سے کسی کی نماز میں خلل واقع ہوگا جیسا کہ حنفی فقہا کا فتویٰ ہے کہ اس عورت کے ساتھ کھڑے ہونے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کے جواب میں رابطہ کے مفتی صاحب نے امام مالک کے فقہی مذہب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ اس عورت کی بھی نماز ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ کھڑے ہونے والے مرد کی نماز میں بھی کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ ایسا آدمی، جو مسجد کو مردوں اور عورتوں سے بھرا پاتا ہے، تو وہ عورتوں کی صف کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے (ملاحظہ ہو اخبار العالم الاسلامی مکہ مکرمہ شمارہ نمبر ۱۰۰۸، مورخہ ۹ فروری ۱۹۸۷ء)

ہمارے ملک میں پردے کی رسم کا تصور بہت مختلف ہے اور عورتوں کو مساجد میں جانے سے عملاً روک دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں بعض مساجد میں عورتوں کے لئے جمعہ کی نماز پڑھنے کا انتظام ہے لیکن وہ ان مساجد میں نمازِ پنجگانہ ادا نہیں کر سکتیں۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارے ہاں جو علماء عورتوں کو اس طرح گھروں میں محبوس رکھنے کے علمبردار ہیں وہ دینی امور میں مکہ مکرمہ کے ادارے رابطہ العالم الاسلامی کو سند سمجھتے ہیں، ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ اس بارے میں رابطہ کے فتویٰ کا مطالعہ فرمائیں۔

# نقد و نظر

نام کتاب: مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی

تالیف: محمد اشرف ظفر

ناشر: محمد اشرف ظفر پوسٹ بکس ۴۱۹۰ - لاہور ۲۵

ملنے کا پتہ: ۱۔ محمد اشرف ظفر پوسٹ بکس ۴۱۹۰ - لاہور ۲۵
۲۔ ندیم بک ہاؤس۔ جی پی او بکس ۱۳۳۱۔ پرانی انارکلی۔ لاہور
۳۔ 'کلاسیک' ۴۲ دی مال۔ لاہور ۳ ٹیلیفون ۶۱۸۳۰ - ۳۱۲۹۷۷
۴۔ طلوع اسلام ٹرسٹ۔ ۲۵۔ بی، گلبرگ ۲ - لاہور

صفحات: ۵۸۴ بڑی تقطیع۔

قیمت: ۱۲۰/- روپے

پاکستان کا کونسا ایسا بہی خواہ ہے جو آج یہاں کی مذہبی اور سیاسی فرقہ بندیوں سے نالاں نہ ہو۔ کہ انہی کے سبب نہ تو پاکستانی مسلمانوں کو اُمتِ واحدہ بننے دیا اور نہ ہی ان فرقہ بندیوں نے اس ملک میں (جو خدا کے عطا فرمودہ قرآنی نظامِ حیات کے نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا) قرآنی نظامِ حیات کو نافذ ہونے دیا۔

فاضل مؤلف نے ان تمام بیماریوں پر سیر حاصل بحث کی ہے جو ملت پاکستانیہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں اور جن کا علاج کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں کس قدر جگر سوزی اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اُن موضوعات سے بخوبی لگ سکتا ہے جو اس میں بطورِ باب دئے گئے ہیں۔

وہ اپنی اس علمی اور غیر جانبدار تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صحیح قرآنی تعلیم اور قرآنی نظامِ حیات کے اختیار کرنے سے ہی ہم وہ کچھ بن سکتے ہیں جو ہمارا خالق چاہتا ہے کہ ہم بن جائیں۔

آخر میں مؤلف ایک اپیل کی شکل میں یہ عنوان باندھتے ہیں "ان کلیوں کو بکھرنے نہ دیجئے" اور ہر ایک سے گزارش کرتے ہیں کہ آیئے مل بیٹھ کر اپنی نئی نسل کے بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کریں

اور اس اندیشے کو کانپتے ہوئے دل کے ساتھ دہراتے ہیں کہ کہیں یہ کلیاں حسب سابق ہماری کوتاہی کے ہاتھوں پژ پردہ ہو کر ملّتِ اسلامیہ کے اُس اُجڑے ہوئے گلستان میں بکھر کر نہ رہ جائیں۔

ہم کتاب میں شائع شدہ بزرگ صحافی جناب مرزا ادیب کے ہمنوا ہیں کہ زندگی کے موجودہ اندھیروں میں محترم محمد اشرف ظفر صاحب کی یہ بلند پایہ تصنیف ایک شعاعِ نور ثابت ہو گی۔

کتاب کی طباعت اور جلد بندی نہایت اعلیٰ معیار کی ہے۔ اور اسے ایک حسین گرد پوش سے مزین کیا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے اپنی عمر بھر کی پونجی خرچ کر کے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس مُخلص اور دیانت دارانہ کاوش کو شرفِ قبولیت بخشیں۔

اس کتاب کا مطالعہ ہر دردمند انسان کے لئے جو ملت اسلامیہ کی تباہی کے اسباب جاننے اور اُن کا علاج ڈھونڈھنے کی جستجو رکھتا ہو، نہایت مفید رہے گا۔

---


# طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

## اکاؤنٹ نمبر 4107-35

## حبیب بنک لمیٹڈ۔ مین مارکیٹ برانچ۔ گلبرگ ۲ لاہور

احباب نوٹ فرمالیں

کہ ماسوائے رقوم اشتراک مجلہ طلوعِ اسلام تمام رقوم، ڈرافٹ اور چیک

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ــــ کے نام بھیجے جائیں!